باسمہ تعالیٰ

اسلام کا معاشی نظام

تالیف

علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلیٰ اللہ مقامہ

تجدید نظر

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید محمد زکی باقری

ناشر:

حوزۂ علمیہ باقر العلومؑ والبلاغ آرگنائزیشن علی پور (الھند)

مشخصات

نام کتاب .... اسلام کا معاشی نظام

تالیف .... علامہ سید محمد رضی زنگی پوریؒ

تجدید نظر .... حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید محمد زکی باقری

صفحات ۲۶۴

قیمت .... ۱۰۰/روپئے، ۵/ڈالر

سنہ اشاعت ۲۰۱۲ء

کورڈیزائنگ .... وزیر حسن چندہ

بہمام .... ادارۂ اصلاح، لکھنؤ

مطبوعہ .... ناردن آفسیٹ پریس، لکھنؤ

ناشر .... حوزۂ علمیہ باقر العلومؑ والبلاغ آرگنائزیشن، علی پور (الھند)

ایک نظر۔۔۔

اس فانی دنیا میں اگر کوئی باقی رہتا ہے تو بس وہی جس نے اپنے علمی کارناموں سے اپنے بقا کی نشانیاں چھوڑا ہو۔اور ایسے انسان بہت کم ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے ایسی یادگاریں چھوڑی ہو جو انسانیت کی خدمت کہلانے کے قابل ہو۔ایسی علمی کاوشیں جو زمانے کے گزر جانے کے بعد بھی ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے کارنامے تازہ پھولوں کی خوشبو دیتی ہیں۔ان علمی کارناموں میں سے ایک مہکتا اور تازہ پھول یہ عظیم کتاب : **''اسلام کا معاشی نظام''** ہے جس کو حجۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ نے قلم بند فرمایا ہے۔

پانچ سال قبل عشرہ محرم کے دوران مدیر ماہنامہ مجلّہ **''طاہرہ''** حجۃ الاسلام مولانا حیدر عباس صاحب قبلہ دامت برکاتہ نے اس کتاب کو عنایت فرمایا تو میں راستے ہی میں چند صفحوں کو پڑھکر اس کتاب اور صاحب کتاب کو خراج تحسین پیش کرتا رہا۔حق وہی جو صاحبان حق کہ دیں مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہم السلام روحی وارواح العالمین لمقدمہ فداء نے فرمایا: **''لا میراث کالادب''** علم وادب جیسی کوئی اور میراث نہیں ہے۔اس کے بعد میں نے اسی کتاب کے مطالب کو محور بنا کر محرم وصفر کے مجالس کو پڑھا بارگاہ رب العزت میں قبولیت کی بھیک مانگتا ہوں۔

علم اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے جو ہر دور ہر زمانے میں ہر انسان وانسانیت کے لئے مفید ہو کتاب حاضر اس بات کے لئے بین ثبوت ہے۔ دور حاضر میں جس بحران سے ہر ملک خواہ وہ جہان اول کے نام سے یاد کیا جائے خواہ ہو جہان سوم سے سب کے سب معاشی بحران کے دوچار ہیں جس کا حل سوائے اسلام کے کوئی اور نہیں ہے جس کو مکتب اھل بیت علیھم السلام نے عملی طور پر اس کو ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

دور جدید ہے اور دنیا اپنے سائنسی پیش رفت پر نازاں ہے مگر جب ہم انسانی اقدار کو انسانیت سوز حالت میں دیکھ رہے ہیں ہر طرف ناحق انسانی خون بہ رہا ہے حقوق انسانی کو وہ پامال کر رہے جو دعویٰ دار حقوق انسانی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب انسان کو انسان کہنا بھی ایک غیر انسانی اقدار ہے۔ یہ دور ''فی ضلال مبین'' تبدیل ہو چکا ہے۔ انسان کو پھر ''نور مبین'' یعنی اسلام پر مکمل عمل کی ضرورت ہے۔

اسلام کی نگاہ میں محرک عمل (Motivation factors) ایمان باللہ، ایمان بغیب، جذبہء ایثار جو کہ صرف وصرف ''اللہ کی محبت'' سے ہی حاصل ہوسکتا ہے: ''قل انکنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله'' اے رسول (ص) ان مؤمنین کو بتلا دو اگر وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کریگا (آل عمران: ۳۱)۔ یہ جذبہ اسی کے ہاتھ آئیگا جو چندروزہ دنیا کی مادی زندگی سے آگاہ ہو: ''ان الذین لا یرجون لقاء نا و رضوا بالحیاۃ الدنیا واطماء نوا بها والذین هم عن اٰیاتنا غافلون''

بیشک جو لوگ ہماری ملاقات (اللہ کی رضا) کی تمنا نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی سے خوش ہیں اور انہیں اطمنان بھی ہے (یہ کہ بس یہی سب کچھ ہے) اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس: ۷)

یو،ان،او(U N O) کے دستور پر نگاہ ڈالیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے سب کچھ اسلام ہی کی تعلیم سے لیا گیا ہے (ویسے انسان کے پاس اسلام سے پہلے تہذیب وتمدن نامی کوئی چیز موجود ہی نہ تھی) مگر کمی کس چیز کی ہے اس دستور میں؟ ہم اسلام کے پروانوں کی نگاہ میں جس چیز کی کمی ہے وہ ہے ''محرک عمل(Motivation factors)'' اگر محرک عمل مادی اغراض نہ ہوتے تو یہ دستور کسی حد تک انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف کے پھیلانے میں کارگر ثابت ہوتا۔ یو،ان، او(U N O) میں ''وٹو پاور اور مستقل عضویت (Viteo Power and Permenent Membership)'' قوانین اس بات کا بین ثبوت ہیں کی دور جدید انسانیت کے جذبہ سے عاری ہے اور مسائل کا حل ''قوت و طاقت Power and Strength'' کو سمجھتی ہے جسکا قرآن مجید نے یہ کہ کر کہ انکار کردیا ہے کہ ''والعاقبۃ للمتقین متقین ہی کے ہاتھوں کامیابی ہے''۔ ''بقائے اصح Servival of the Fittest'' سماجیات کے مقولہ کی غلط تعبیر ''قوت و طاقت Power and Strength'' ہے۔اس کی فطری قرآنی عدل وانصاف سے جڑی تعبیر ''متقین،اور صالحین'' ہے جو نہ ہی قوت کے حصول کے خواہاں نہ ہی دنیا کے منابع کو ایک طبقہ میں لانے کا جذبہ بلکہ اگر حکومت وقوت وطاقت کا حصول بھی ہوگا تو فقط دنیائے انسانیت میں عدل وداد سے مزئین کرنا ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں مقام ذیقار (صفین کے نزدیک جگہ کا نام ہے) مولا امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا آپؑ اپنی جوتی سی رہے ہیں،انہیں تعجب ہوا اور اس موقع پر مولاؑ کا یہ عمل کچھ سازگار سا نہیں معلوم ہوتا ہے۔مولاؑ نے پوچھا: **ما قیمة هذه النعل** ؟اے ابن عباس کیا قیمت ہے اس جوتی کی؟ میں نے کہا: **لا قیمة لها** ۔اس کی کوئی قیمت نہیں۔

مولاؑ نے فرمایا: **واللہ لھی احب الی من امرتکم الا ان اقیل حقا او ادفع باطلا**: خدا کی قسم تمھاری حکومت میرے نزدیک اس بے قیمت جوتی سے بھی کم ہے مگر یہ کہ (اس حکومت کے ذریعہ) میں حق کو قائم کروں اور باطل کو مٹاؤں۔ (نہج البلاغہ: خ ۳۳)

اس معیار انسانیت کو سوائے اسلام اور وہ بھی مکتب اہلبیتؑ کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھ پائیں گے۔

آج ساری دنیا میں عموماً اور جہاں اول میں خصوصاً ایک فطری آواز بلند ہورہی ہے جس کا اگر خلاصہ کیا جائے تو ایک ہی محور ہے دنیائے انسانیت تلاش عدل وداد میں سرگرداں ہے اوراسی کی جانب اشارہ ہے سرکار رسالت مآبؐ کی حدیث میں جہاں پر آپؐ نے آیندہ حالات کی جانب خوش خبری دی ہے جو کہ شیعہ اور سنی دونوں مکاتب میں یہ حدیث تواتر کا درجہ رکھتی ہے: ظہورامام مھدیؑ کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: **یملاء الارض قسطا و عدلا بعد ما ملئت ظلما و جورا**: زمین کو عدل وداد سے بھر دیگا جب کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ (المعجم الکبیر طبرانی: ج ۱۰ ص ۱۳۳)

آج کی دنیا میں جو معاشی نظام چل رہے ہیں خواہ وہ کسی بھی نام سے ہو جیسے نظام سرمایا داری، نظام اشترکی، وغیرہ سب میں کئی خامیاں موجود ہیں سب سے بڑی خامی حاکموں کی لجام کو تھامنے کا کوئی موثر طریقہ موجود نہیں ہے۔ ان کے اختیارات اتنے کہ سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور کوئی باز پرس کرے بھی تو یہ لوگ ظاہری قوانین ہی کا سہارا لے کر بچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے جس بات کی جانب توجہ دلائی ہے وہ حاکم کا بارگاہ رب العزت میں جواب دہ ہونا اسی طرح جس طرح ایک عام انسانوں کی باز پرس ہوتی ہے۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایک ہونے والے مصر کے گورنر ملک اشترؒ کو تفصیلی فرمان دیا ہے جو دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی رہنمائی کسی حاکم کے لئے نہیں ہوسکتی :۔جس کے اہم نکات پر توجہ کریں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے بلکہ ہر زمانے کے حاکموں کے لئے ایک مکمل دستورالعمل ہے جس پر عمل کیا جائے تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ :عمل صالح ،تقوی الہی ، ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں جواب دہ رہنے کا خوف ،عدالت ،عوام کے درد سے آشنائی اور ان کا مدارا کرنا ،خواص یعنی ایک مخصوص طبقہ کو خوش کر کے عوام کی اکثریت جو مستحق ہیں اور انسان ہونے کے ناتے برابر کا حق رکھتے ہیں کو کبھی ناراض نا رکھیں، مذہب ہی نہیں بلکہ انسانی اقدار کو اپنا نسب العین بنائیں اور اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ مظلومین کی آہ کو خالق کائنات سنتا ہے۔ (نہج البلاغہ :اقتباسات از خط :۵۳)

آج کی چھ ۶ عرب انسانی آبادی میں صرف دو ۲ فی صد انسانی خوں خوار افراد کے ہاتھوں سمٹی ہوئی ہے۔اور کسی ازم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔مگر یہ کہ دنیا آج بھی اس چوکٹ پر سجدہ کرے جہاں انسانی اقدار کی بنا پر رضا کارانہ اپنے مال و دولت کو صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دیں گو اس دنیا میں بظاہر گھاٹے ہی میں کیوں نہ ہوں:

یوثرون علیٰ انفسھم و لو کان بھم خصاصہ:اپنے نفسوں کو ایثار کرتے ہیں حالانکہ خود گھاٹے میں ہوتے ہیں (**الحشر :۹**)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ غافلین کون ہیں اور کیوں ہیں :**ان الذین لا یرجون لقاء نا و رضوا بالحیاۃ الدنیا و اطمنوا بھا و الذین ھم عن آیاتنا غافلون**۔جو لوگ ہماری ملاقات کی تمنا نہیں رکھتے اور دنیا ہی کی حیات سے راضی رہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (یونس :۷)

ان کے اس غفلت کی وجہ: **یعلمون ظاهرا من الحیاة الدنیا و هم عن الآخرة هم غافلون**۔ (یہ لوگ) دنیا کی ظاہری حیات سے واقف ہیں اور آخرت کی (نا ختم ہونے والی نعمتوں) سے غافل ہیں۔ (روم:۷)

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد رضی زنگی پور نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب ایک نادر سعی بلیغ ہے جس میں انہوں نے معاشیات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے۔ دل تو چاہتا یہ تھا کہ اس کی شرح لکھی جائے مگر اپنی بے بضاعتی اور مصروفیات نے مجبور کر دیا کہ اس کو اس کی اصل ہی پر باقی رکھا جائے۔ ہاں کوشش یہ کی گئی ہے کہ منابع احادیث کو اس کتاب کے پڑھنے، والوں کی آسانی کے لئے حدیث کے پہلو ہی میں درج کر دیا جائے۔

سب سے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوں جس نے یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ اس کتاب کو تجدید نظر کے ساتھ مومنین کی خدمات میں پیش کی جائے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

میں حجۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسنی دامت برکاتہ کا مشکور ہوں جنہوں نے مصنف کا تعارف تحریر فرمایا اور اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں بھی کوشاں رہے۔ اس کے ساتھ ماہ نامہ 'اصلاح' کے مسئولین کا جو اس کتاب کے طبع کرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔

آخر میں 'حوزۂ علمیہ باقر العلومؑ و البلاغ آرگنائزیشن علی پور کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کے نشر کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

تعارف

از: حجۃ الاسلام مولانا سید احمد رضا الحسینی دامت برکاتہ

برصغیر میں لکھنؤ کو شیعیت کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاہان اودھ نے فیض آباد سے جب دار السلطنت منتقل کر کے لکھنؤ بنایا تو مذہبی اور قومی معاملات میں علماء کی ضرورت ہوئی اور ملک سے اکابر علماء کو دعوت دی گئی، مدارس وحوزات کو قائم کیا گیا مساجد وامام بارگاہ اور روضوں کی تعمیرات ہوئیں یہی سبب ہیکہ علماء ومومنین وطلاب کی ایک کثیر تعداد تھی جس نے لکھنؤ کا رخ کیا اور اس مرکز سے وابستگی اختیار کی، لیکن وسائل کی عدم فراہمی کیوجہ سے ایسے بھی علاقے تھے جہاں سے طلاب نہیں آسکتے تھے لہذا اگر قریب میں کوئی عالم دین فراہم ہوجاتا تو یہ علمی تشنگی پوری کرتے۔

سادات کی ایسی ہی ایک بستی، 'زنگی پور' ہے جو شہر غازی پور سے ۱۴ کلومیٹر مغرب کی جانب واقع ہے، اس بستی کو ہمیشہ سے شہرت اس وجہ سے حاصل رہی ہے کہ یہاں پر مشہور علماء و افاضل، شعراء و ادباء اور جدید علوم کے ماہرین اور گورنمنٹ کے اندر بڑے عہدوں پر فائز افراد گذرے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اس بستی زنگی پور میں علماء کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی اور وہاں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اگر کسی طالب علم کو علم دین حاصل کرنے کا شوق ہوتا تھا تو بجائے یہ کہ کسی معروف مدرسہ میں جا کر تحصیل علم کرے، وہاں کے مقامی علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے شرف تلمذ حاصل کرتا تھا۔

انہیں بزرگ اور قابل ذکر علماء میں علامہ سید محمد رضی زنگی پوری اعلی اللہ مقامہ بھی تھے جو ایک جید عالم دین مفسر قرآن، محدث و مؤرخ اور بہترین استاد اور انتظام کار تھے اور ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے آپکی بے حد علمی و تبلیغی خدمات کئی دہائیوں پر مشتمل ہے، انہیں ہمہ جہت صلاحیتوں کی وجہ سے آپکو بنارس کے مشہور علمی درسگاہ جوادالعلوم جوادیہ عربی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور آپ نے جو طلباء کی تربیت کی اور شاگرد بنائے انھوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، علامہ سید محمد رضی زنگی پوری کی عملی و قلمی کاوشیں مختلف اور مفید موضوعات پر ہیں جو نہ صرف مومنین کیلئے قابل استفادہ ہیں بلکہ طلباء اور علماء کیلئے بھی ایک بڑا علمی سرمایہ ہیں۔

اختصار کے ساتھ چند کتابوں اور مقالات کا ذکر نمونہ کے طور پر کرنا چاہتا ہوں ''تقدیر وبداء'' کے عنوان سے ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۱ء میں تحریر فرمایا جسے علماء کے درمیان پذیرائی حاصل ہوئی اور عوام کیلئے بیحد مفید ثابت ہوا، خدا نے اصول تصرف قانون حکمت کے عنوان سے واضح اور مدلل انداز تحریر اختیار کیا ہے اور فلسفیانہ گفتگو کر کے باطل خیالات ونظریات کی دھجیاں بکھیر دیں ہیں۔

''ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت'' کے عنوان سے ۵۵ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ۱۹۵۶ء میں تحریر فرمائی اور ۱۹۵۷ء میں ''حدوث عالم'' کے عنوان سے ۱۹ صفحات پر مشتمل رسالہ تحریر کیا جس میں مادہ پرستی اور دہریت کے پھیلائے ہوئے قدیم وجدید قسم کے شبہات کو عقلی استدلال

کی روشنی میں باطل کر کے خداشناسی کے راستہ سے ہر طرح کے کانٹے کو صاف کر دیا۔ ''دنیا کا آخری انجام''، کے عنوان سے حضرت علامہ زنگی پوری نے ۷۹ صفحات پر مشتمل کتاب تحریر فرمائی

علامہ مرتضیٰ عسکریؒ کی کتاب، ام المومنین عائشہ، کا ترجمہ مولانا سید محمد باقر نقویؒ نے کیا۔ اس کتاب کے آخر میں علامہ رضی زنگی پوری کا ایک مضمون، آیہ تطہیر، کے عنوان سے چھپا ہے جو بیحد علمی اور وقیع مضمون ہے۔

شہید ثالث سید نور اللہ شوشتریؒ کی مشہور کتاب 'احقاق الحق' کے باب کتاب النبوۃ کا ترجمہ بھی آپکی خدمات میں شامل ہے، ''عدل وحکمت'' کے عنوان سے ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں تحریر کیا، امام زمانہ علیہ السلام کے حالات و زندگی سے متعلق ، اسلامی فرقوں میں مختلف افکار و خیالات پائے جاتے ہیں، آپ کے عہد میں اہلسنت کا ایک رسالہ۔ اروع اللئام، کے نام سے نکلتا تھا جسمیں غیبت و رجعت کے موضوع پر تشیع پر سخت تنقید کی گئی تھی علامہ رضی زنگی پوری نے اس کے جواب میں ''**کشف الظلام عن غیبۃ الامام**ؑ'' تحریر کر کے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور حضرات آئمہ طاہرین علیھم السلام کی رجعت کو محققانہ طور پر بیان کیا، یہ کتاب ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اور علامہ رضی زنگی پوری کے عظیم کارناموں میں ''تفسیر رضی'' ہے یہ تفسیر ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو جناب علامہ نے رامپور میں تیار کئے تھے۔ نواب صاحب رام پور رضا علی خان کی خواہش پر علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا سید محمد دھلوی اور علامہ سید محمد رضی زنگی پوری پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل پایا تھا اور اس بورڈ کے ذمہ ایک جامع تفسیر لکھنے کا کام سپرد کیا گیا تھا لیکن تقسیم ملک کی وجہ سے کام مکمل نہ ہوسکا، علامہ رضی مرحوم نے اس ضمن میں جو کام کیا تھا اسے مولانا سید ظفر الحسن صاحب مرحوم نے شائع کیا اس تفسیر کے ۵ حصے ہیں اور پانچوں حصے شائع ہو چکے ہیں۔

انقلاب اسلامی ایران کے بعد آج ہر موضوع پر کتابیں تحریر ہورہی ہیں لیکن اس سے قبل بس چند موضوعات تھے جس پر کام ہوا اور بار بار ہوا۔ اقتصاد ایک ایسا موضوع ہے جسکی اہمیت کسی بھی عہد میں کم نہ تھی مگر نجانے کیوں اس موضوع پر پہلے بہت کم لکھا گیا، فیلسوف اسلام شہید باقر الصدرؒ نے 'اقتصادنا' لکھکر علمی دنیا میں ایک ہلچل مچادی اور پوری دنیا میں اسکی پذیرائی ہوئی۔

لیکن اسلام کے اس اہم موضوع اقتصادیات کی ضرورت کو علامہ سید محمد رضی زنگی پوری نے اپنے زمانہ میں محسوس کیا اور ایک مدلل اور مضبوط کتاب تحریر فرمائی اور اس کتاب کا نام رکھا، ''اسلام کا معاشی نظام'' اردوداں طبقہ میں اس کتاب کو بیحد مقبولیت حاصل ہوئی اور شاید اس موضوع پر اردو زبان میں اس کتاب کو پہلی کتاب کہا جاتا ہو۔ اور اس راہ کے سب سے پہلے علامہ رضی مرحوم ہوں۔

سید احمد رضا الحسینی

باب العلم (تورنٹو) کناڈا

باسمہ تعالیٰ

اسلام کا معاشی نظام

مشیت خداوندی نے مطلع نیر اسلام بنانے کے لئے ایک ایسے خطۂ دنیا کو منتخب فرمایا جس کے ساکنین خیر دنیا و آخرت دونوں سے بیگانہ تھے، ظلمت کفر و جاہلیت کی طرح ضیق معاش، فلاکت و افلاس کی مصیبتیں بھی ان پر سایہ فگن تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوم عرب کا حال نہ صرف مذہبی و تمدنی اعتبار سے تمام اقوام عالم سے بدتر تھا بلکہ افلاس و مسکینیت اور معاشی مشکلات و شدائد کے لحاظ سے بھی اس کی حالت حد سے سوا خراب تھی اس کی وحشیانہ و جاہلانہ زندگی نے معیشت کے وسائل کو بھی اس کے لئے تنگ کر دیا تھا۔ کسب معاش کے طریقوں میں بھی جاہلیت کے آثار نمایاں تھے فتنہ و فساد ظلم و جور، قتل و غارت اس کا مرغوب پیشہ تھا۔ رہزنی، خیانت، قمار بازی کا عام رواج تھا، ایسی بدکرداریاں جن کے تذکرہ سے انسانیت کو شرم آتی ہے اس کے لئے قابل فخر ذرائع معیشت تھے، قتل اولاد کا عام رواج تھا۔ غرباء، فقیری و بے مائیگی کے خوف سے، اور اہل دولت و ثروت اپنی فرضی شرافت کے فخر و غرور کا سر اونچا رکھنے کے لئے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

فاقہ کش عوام ان بداخلاقیوں میں گرفتار تھے، جو خاصہ فقر وافلاس ہوا کرتی ہیں۔ اور طبقہ خواص میں وہ بری خصلتیں اور بدکرداریاں عام تھیں جن کو سرمایہ دارانہ ذہنیت اپنے ساتھ لایا کرتی ہے۔ عہد ظہور اسلام میں قوم عرب کے حال خراب کی بھیانک تصویریں نمایندگان اسلام نے اپنے کلاموں میں کھینچی ہیں، سیرت ابن ہشام میں حضرت جعفرؑ طیار کی وہ تقریر دلپذیر منقول ہے جو آپ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی اس کے چند فقرہ یہ ہیں:

قبل ظہور اسلام عرب کی دینی ومعاشی ابتری اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ

حضرت جعفر طیارؑ کی تقریر

أیھا الملک! انا کنا قوماً اھل جاھلیة نعبدالاصنام و ناکل المیتة و نأتی الفواحش و نقطع الارحام نسئ الجوارو یأکل القوی منّا الضعیف فکناعلی ذالک حتیٰ بعث الله عزّ وجلّ الینا رسولامنا نعرف نسبه و صدقه وامانته و عفافه، فدعانا الی الله لنوحده و نعبده ونخلع ما کنا نعبد نحن و آبائنا من دونه من الحجارة و الاوثان وامرناان نعبدالله وحده ولا نشرک به شیئا وامرنا بالصلوة والزکوٰةوالصیام فعددعلیه امور الاسلام ثم قال وامر بصدق الحدیث و اداء الامانة و صلة الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء و نھانا عن الفواحش و قول الزور و اکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناه و آمنا به و اتبعناه علی ما جاء به من اللّٰه .

(البدایة و النھایة ، ج۴،ص ۱۸۲)

”اے بادشاہ! ہم ایک مبتلائے جاہلیت قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے ، برے افعال کیا کرتے تھے، قطع رحم اور ہمسایہ سے بدسلوکی ہمارا کام تھا۔ قوت والے کمزوروں کو

کھا جاتے تھے۔اسی حال میں خدا نے ہم پر اپنا ایک پیغمبرؐ ہم میں سے مبعوث کیا جس کا نسب جس کی سچائی امانتداری، پرہیز گاری کی خصلتوں کو ہم خوب جانتے تھے۔اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا کہ اس کی یکتائی کے قائل ہوں، اس کی پرستش کریں۔اور جن پتھر کے بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اُن کو چھوڑ دیں۔اور ہم کو یہ حکم دیا کہ فقط خدائے یکتا کی بندگی کریں، اُس کا شریک کسی کو قرار نہ دیں، اور انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ، روزے کا حکم دیا۔"

حضرت جعفر طیارؓ نے تمام امور اسلام کو شمار کر کے فرمایا کہ:

"انھوں نے ہم کو راست گفتاری امانتداری، صلہ رحمی، ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک، مال حرام اور خون ناحق سے بچنے کا حکم دیا، اور ہم کو بدکاریوں لغو باتوں، مال یتیم کھانے اور پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانے سے منع کیا، تو ہم نے ان کی تصدیق کی، وران تمام باتوں میں جو خدا کی جانب سے لائے تھے ان کے پیرو بن گئے۔"

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا بیان

نیز جناب امیر المومنین علیہ السلام نے عرب کی حالت قبل اسلام کی تصویر کھینچتے ہوئے فرمایا ہے:

والناس فِی فِتن انجذم فِیھا حبل الدِینِ، وتزعزعت سوارِی الیقِینِ، واختلف النجر وتشتت الامر وضاق المخرج وعمِی المصدر فالھدی خامِل والعمی شامِل عصِی الرحمن ونصِر الشیطان وخذِل الاِیمان فانھارت دعائِمہ وتنکرت معالِمہ ودرست سبلہ وعفت شرکہ اطاعوا الشیطان فسلکوا مسالِکہ ووردوا مناھِلہ، بِھِم سارت اعلامہ، وقام لِواوہ، فِی فِتن داستھم باحفافِھا ووطِئتھم باظلافِھا، وقامت علی سنابِکِھا، فھم فِیھا تائِھون حائِرون

جاھلون مفتونون فِی خیرِ دار وشرِ جیران نومھم سھود، و کحلھم دموع .

(نہج البلاغہ، خطبہ۲)

''جس وقت پیغمبرؐ مبعوث ہوئے اس وقت دنیا کا یہ حال تھا کہ لوگ ہر طرف فتنہ وفساد میں مشغول تھے دین وشریعت کی رسّی ٹوٹ گئی تھی، یقین کے ستونوں میں تزلزل پیدا ہوگیا تھا۔ اصل (ونسل) کے اختلافات پھیلے ہوئے تھے، امر دنیا ودین سب بالکل پراکندہ ہورہے تھے، نجات کے طریقے تنگ اور رہائی کے راستے بے نشان ہوچکے تھے، ہدایت روپوش اور جہالت شامل حال عامۂ خلائق ہورہی تھی، خدا کی نافرمانی کا دور تھا۔ شیطان کی نصرت بدل وجان کی جاتی تھی لوگ فتنوں میں سرگرداں وپریشان تھے، حیرت امتیاز حق وباطل سے مانع تھی، اپنے نفع وضرر کا علم مفقود تھا وہ اچھے وطن (مکہ) میں تو تھے مگر بدترین ہمسایوں میں تھے بے خوابی ان کے لئے نیند تھی اور آنسوان کی آنکھوں کے لئے سرمہ تھے''۔

نیز حضرتؑ کا ارشاد ہے:

ان اللّٰہ بعث محمدا صلی اللہ علیه و آله و سلم نذیراً للعالمین و امیناعلی التنزیل و انتم معشر العرب علی شر دین وفی شر دار، منیخون بین حجارۃ خشن وحیات صم تشربون الکدر و تاکلون الجشب و تسفکون دمائکم و تقطعون ارحامکم، الاصنام فیکم منصوبۃ والآثام بکم معصوبۃ.

(نھج البلاغه، خطبه۲۶)

''خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالموں کے لئے ڈرانے والا اور اپنے نازل کئے ہوئے احکام کا امانتدار بنا کر بھیجا، اے گروہ عرب! اس زمانہ میں تمہارا حال یہ تھا کہ بدترین دین کے پیروکار تھے اور بدترین گھروں میں رہتے تھے تمہاری سکونت سخت پتھروں اور ایسے

زہریلے سانپوں کے درمیان تھی جن کے کاٹے کی دوا نہ تھی، کیچڑ سے بھرا پانی پیتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کا ناحق خون بہا رہے تھے، قطع رحم (اپنوں سے بدسلوکی) تمہارا طریقۂ زندگی تھا، بت تمہارے درمیان پرستش کے لئے نصب تھے اور گنہگاریاں تمہارے دم سے وابستہ تھیں۔''

اسلام ایک قابل عمل نظام ہے
جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے

ان اقوال میں عرب جاہلیت کی مذہبی، تمدنی، اخلاقی، معاشی، غرض ہر طرح کی پستی و بدحالی کا جو تاریک مرقع ہمارے سامنے دیا گیا ہے اگر اس کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ پر غور کیا جائے کہ فقط چند ماہ و سال کے عرصۂ قلیل میں اسلامی برکات نے عرب کے مذہبی و اخلاقی ، دنیوی و معاشی معیار کو کس سرعت کے ساتھ ارتقاء کے بلند ترین مدارج پر پہنچا دیا ، انقلاب ذہنیت کے ساتھ ان کے اخلاق و کردار کی دنیا کس طرح منقلب کر دی ان کے دین کے ساتھ ان کی معیشت دنیوی کا عنوان بھی کس طرح بدل ڈالا ، تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تعلیمات اسلام کا یہ انقلابی کارنامہ اگر معجزہ نہیں تو تاریخ عالم کا محیر العقول اور بے مثال کارنامہ ضرور ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام دین و دنیا معاد و معاش دونوں کا ایک مکمل قابل عمل اور کامیاب نظام ہے۔ فلسفی نظریہ کے حدود سے نکل کر تجربہ و عمل کی دنیا میں بھی اپنی کامیابی کا سکہ بٹھا چکا ہے۔ قوم عرب نہایت درشت مزاج و جاہل طبیعت قوم تھی۔ اثر پذیری و اطاعت گذاری کو اس کی جاہلیت نواز خصوصیات سے کوئی ربط نہ تھا۔ اس کی دنیا و دین کو دیکھتے دیکھتے بدل دینا ایسے ہی نظام کا اثر ہو سکتا ہے، جو انسانی فطرت کے مناسب نظری و عملی دونوں پہلوؤں سے ہر طرح مکمل اور قابل عمل ہو، اور اپنی عملی طاقتوں کا کامل ترین اسوۂ حسنہ دنیا کے سامنے لا رہا ہو۔

اعجازی شان سے چند دنوں میں عرب جیسی بگڑی ہوئی قوم کو سدھارنا اور اس کی مذہبی ومعاشی دینی و دنیوی زندگی کی سطح کو بلند ترین مرتبہ پر پہنچا دینا، اس بات کا شاہد ہے کہ یہ نظام جس قدر نظری اعتبار سے کامل ہے اسی قدر وہ قابل عمل بھی ہے، اگر دنیا میں اس کو نوع انسانی کی اصلاح کا ویسا ہی موقع اور بھی ملتا جیسا چند روز کے لئے حاصل ہو گیا تھا تو آج دنیا کی حالت کچھ اور ہوتی، یہ واقعہ نہایت الم انگیز ہے کہ اسلامی نظام کے رواج پذیری کی مدت بہت تھوڑی رہی، دنیا میں مسلمانوں کی حکومتیں تو باقی رہیں اور آج بھی ہیں۔ مگر ممالک غیر کا تذکرہ نہیں خود اسلامی ملکوں میں بھی نظام اسلامی کا اثر اہل اسلام کی روزمرہ کی زندگی میں باقی نہ رہ گیا، بہت جلد مسلمانوں نے انھیں نظریات واطوار زندگی کو اختیار کر لیا جن کو نظام اسلامی مٹا دینا چاہتا تھا، قرآنی تعلیمات کا قالب تو رہ گیا مگر روح جاتی رہی، اسلامی حلقے نظری فلسفے کی حیثیت سے اس کا درس تو لیتے رہے مگر اس کا عملی سبق بھول گئے، اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ اس کی عملی حیثیت کا ذکر کیا اس کی نظری حیثیت کو بھی چھوڑ چکے ہیں۔ اسلامی دنیا کے افراد اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور قرآنی اصول وہدایت سے ناآشنا ہونے میں غیر مسلم افراد واقوام سے پیچھے نہیں ہیں۔ اسلامی اصول ونظریات پر عمل کی کس طرح امید کی جاسکتی ہے جب کہ ان کا تذکرہ بھی مسلمانوں کے لئے دلچسپ ومرغوب خاطر نہیں رہا ہے۔ اصول اسلامی وتعلیمات قرآنی سے عملی زندگی میں منحرف اور بے تعلق ہو جانے کا آخر وہی انجام آج ہر مسلمان کے سامنے ہے جس کی خبر غیب حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے اس ارشاد میں مذکور ہے:

قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام

فعندذلک لا یبقی بیت مدر ولا وبر الا دخله ظلمهم نزحة واولجوا فیه نقمة فیومئذ لا یبقی لکم فی السماء ولا فی الارض ناصر (نہج البلاغہ، ص ۱۶۵)

”(جبکہ مسلمان قرآن کی تعلیمات سے منحرف ہوجائیں گے) اس وقت نہ شہریوں کا کوئی مٹی سے بنا ہوا گھر ہوگا، اور نہ بدویوں کا کوئی بالوں کا خیمہ جس میں ظالموں نے رنج وغم نہ داخل کر دیا ہو، اور مصیبت نہ نازل کر دی ہو۔ اس دن تمہارا نہ کوئی آسمان میں مددگار ہوگا نہ زمین میں۔“

عقلوں نے جب آزادانہ فکر وغور کی فرصت پائی اور فطرت کے تقاضے نے انسانی دماغوں کو مناسب سمجھنے اور سوچنے کی طرف مائل کیا اور عقلیت پسند طبیعتیں درپے تجسس و تحقیق ہوئیں تو ان کے سامنے ایک طرف انسانی خودغرضی و نفس پرستی کے ہاتھوں فریادی عیسائیت تھی اور دوسری طرف دین و مذہب کے پردہ میں روح دین و مذہب کو پامال کرنے والے اکابر مسلمین کے اخلاق وکردار کی کشتہ اسلامیت۔ غرض مجموعی طور پر دنیا ان کے سامنے اندھیری سی لہٰذا مذہب سے عام بدگمانی اور دین سے کلی نفرت پیدا ہوگئی، اور غیر مذہبی اصول بلکہ خالص شیطانی نظریات پر نظامات بننے لگے، جن کا غیر منقطع سلسلہ نسل انسانی کی تباہی و ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے، اور حضرت رسالتمآب صلعم کی یہ پیشن گوئی واقعات کی صورت میں، اسلامی دنیا کو بالخصوص دعوت نظر دے رہی ہے:

عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرتؐ کی خبر غیب:

یاتی علی الناس زمان بطونهم الهتهم و نسائهم قبلتهم و دنانیرهم دینهم و شرفهم متاعهم لا یبقی من الایمان الا اسمه ولا من الاسلام الا رسمه ولا من القرآن الا درسه مساجدهم معمورة و قلوبهم خربة علمائهم شر خلق الله علی وجه الارض فحٍ ابتلاهم الله باربع خصال جور من السلطان و قحط من

الزمان و ظلم من الولاة والحكام و شركة مع العدو فتعجب الصحابةقيل يا رسول الله أ يعبدون الاصنام؟ قال نعم كل درهم عند هم صنم ۔

(لئالی الاخبار،ص۱۲۴۔مستدرک الوسائل:ص۳۸۶)

''لوگوں پر ایسا زمانہ عنقریب آنے والا ہے جس میں ان کے پیٹ ان کے معبود ہوں گے، ان کی عورتیں ان کی قبلہ ہوں گی ان کا دین ان کے دینار ہوں گے مال ومتاع ہی پر ان کے شرف کا دارومدار ہوگا۔ ایمان کا محض نام، اسلام کا فقط نشان رہ جائے گا، قرآن کی تعلیمات بس سبق پڑھا دینے تک محدود ہو جائیں گی مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر دل ویران ہوں گے ان کے علماء بدترین خلق خدا ہوں گے ایسا زمانہ آئے گا تو خدا چار باتوں میں ان کو مبتلا کرے گا۔ سلطنت کا ظلم، قحط وگرانی، حکام کا ظلم، دشمنوں کے ساتھ شرکت''

اس پر صحابہ کو تعجب ہوا، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ بت پوجیں گے تو فرمایا:

''ہاں ہر درہم ان کے نزدیک ایک بت ہوگا''۔

حالات زمانہ کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام معیشت کا واضح خاکہ دنیا کی بے قرار و متجسس نگاہوں کے سامنے لایا جائے ممکن ہے کہ مضطرب دلوں کو توفیق ربانی اس سے ہدایت پائے اور روشنی حاصل کرنے کی طرف مائل کردے۔

چند بنیادی باتیں
جن پر اسلامی نظام معیشت کا سمجھنا موقوف ہے

اسلام کے معاشی واقتصادی نظام کو سمجھنے اور دور جدید کے اقتصادی ومعاشی نظامات سے اس کا فرق معلوم کرنے کے لئے چند باتوں کا جان لینا ضروری ہے جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

اول: اسلام فقط ذہنی حالت اور قلبی کیفیت اور فلسفی عقائد ونظریات ہی کا نام نہیں ہے جس کا تعلق انسان کی روح وقلب وضمیر اور محض روحانی زندگی تک محدود ہو، بلکہ وہ نہایت وسیع

اور جامع دستور العمل اور ہمہ گیر نظام ہے جس کا تعلق آدمی کی روحانی زندگی کی طرح اس کی دنیوی زندگی سے بھی ہے وہ ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدۂ بے عمل کا مخالف ہے، وہ ایسی نظری و ذہنی حالت کا حامی نہیں جس کا ظہور روز مرّہ کی زندگی اور ہر طرح کی چال وچلن میں نہ ہوتا ہو ، یہ صحیح ہے کہ مذہب اسلام کی جڑ خالص باطنی وروحانی عالم میں قائم کی جاتی ہے اور ایمان کی بنیاد ذہنی دنیا میں رکھی جاتی ہے، مگر جسمانیت کی ظاہری دنیا اور عالم اعضاء وجوارح میں اس کی شاخوں کا نمودار ہونا بھی لازم ہے، وہ اصل کس کام کی جس کی شاخیں نہ نکلیں اوران کی شاخوں میں پھل نہ آئیں، اسلامی نظریہ یہ ہے کہ عقائد اصول ہیں اور اعمال ان کی فرع، اصل بے فرع اور فرع بے اصل دونوں بے ثمر رہیں گی، عقیدہ بے عمل کے لاحاصل رہے گا اور عمل بے عقیدہ سے پھل حاصل ہونے کی آرزو محض خیال خام ہے، اس کا بیان اس آیۂ مبارکہ میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا . الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (سورہ کہف:۱۰۳و۱۰۴)

”(اے رسول) کہہ دو! کیا ہم ایسے لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں، (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں اکارت ہوگئی اور وہ اس خیال خام میں ہیں کہ اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔“

ضمیر وقلب کی طرح اعضاء وجوارح بدن کو بھی اسلام کی حقیقت سے خاص تعلق اور برابر کی نسبت ہے، جب تک وہ مصروف کار نہ ہوں گے اور حرکات عملیہ کا مظہر نہ بنیں گے حقیقت کاملۂ اسلام کا وجود غیر ممکن ہوگا، اسی بات کی طرف جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد مندرجہ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے:

اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے

لانسبن الاسلام نسبۃلم ینسبھا احدقبلی، الاسلام ھو التسلیم والتسلیم ھو الیقین والیقین ھو التصدیق والتصدیق ھو الاقرار والاقرار ھو الاداء والاداء ھو العمل . (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر،ص۹۰)

''میں اسلام کی ایسی صفت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی ،(اسلام کیا ہے؟) وہ تسلیم (حکم خدا کو ماننا ہے) اور تسلیم یقین ہے اور یقین (پیغمبر کی) تصدیق ہے اور تصدیق (اطاعت خدا اور رسول کا) اقرار ہے اور اقرار اداء اطاعت و بندگی ہے، اور اداء عمل ہے''

ان مقدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام عین عمل ہے، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

سارا ایمان عمل ہے

(۱)الایمان عمل کلہ . (اصول کافی) ''سارا ایمان عمل ہے''۔(الکافی: ج۲ص۳۸)

تمام اعضاء وجوارح کا ایمان میں حصہ ہے

(۲)ان اللّٰہ فرض الا یمان علیٰ جوار ح بنی آدم وقسما علیھا وفرقہ علیھا .

''خدا نے ایمان کو اولاد آدم کے اعضاء وجوارح پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے''۔

(مستدرک الوسائل: ج۱۱ص۱۴۲)

مختصر یہ کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے عمل کا طالب اور بے عملی سے متنفر اور کاہلی و سستی و بے کاری وبطالت کا دشمن ہے۔ عملی زندگی سے باوجود قوت واستطاعت الگ ہو کر زندگی بسر کرنے میں کسی انسان کی ہمت افزائی نہیں کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک

مفہوم عبادت بہت وسیع ہے

دوم: عبادت دین اسلام کی اصطلاح میں فقط قلبی وذہنی اعمال تک محدود نہیں، تفکر وتذکر ایمان و ایقان، گیان ودھیان ہی تک حقیقت عبادت ختم نہیں ہوجاتی، اور نہ صرف نماز روزہ وحج وغیرہ بدنی اعمال کا نام عبادت ہے بلکہ عبادت ہر وہ عمل ہے جو خدا کے احکام کے مطابق اس کی خوشنودی ورضا مندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، خدا کی فرمانبرداری واطاعت کا جذبہ وارادہ حقیقت عبودیت و روح عبادت ہے اور ہر وہ کام بندگی و عبادت ہے بس سے مقصود خدا کی فرمانبرداری و تعظیم امر الٰہی ہو خواہ وہ خالق ومخلوق، معبود وعبد کے روابط سے تعلق رکھتا ہو یا افراد انسان کے باہمی معاملات وحقوق سے یا خود نفس انسانی کے ان حقوق سے جن کا ادا کرنا اس پر لازم ہے یہاں تک کہ اپنے بچوں کو پیار کرنا، ان کو ہنسانا کھلانا بھی عبادت میں داخل ہے، جانوروں کی خدمت بھی کار خیر وعبادت ہے۔

اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے

من قبل ولده كتب الله له حسنة ومن فرحه فرحه الله يوم القيامة

(لئالی الاخبار، ص ۳۳۰۔ الکافی: ج ۶ ص ۴۹)

''جو شخص اپنے بچے کو پیار کرے گا خدا اس کے نام پر ایک نیکی درج فرمائے گا اور جو آدمی اپنے بچے کو خوش کرے گا خدا اس کو بروز قیامت فرحت عطا فرمائے گا''

(۲) جناب صادق آل محمدؐ علیہ السلام سے مروی ہے:

جاء رجل الی النبی فقال ما قبلت صبیا قط فلما ولی قال رسول الله هذا رجل عندی انه من اهل النار (لئالی الاخبار، ص۳۳۔ الکافی: ج۶/ ص۵۰)

''ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوااور کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا، جب وہ چلا گیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ شخص جہنمی ہے''۔

پیاسے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

من سقی کبدا حراء من بھیمة او غیرھا اظله الله فی ظل عرشه یوم لا ظل الا ظله (لیالی الاخبار ۳۵۷۔ الکافی: ج۴/ص۵۸)

''جو شخص کسی جلتے جگر کو سیراب کرے خواہ وہ حیوان کا ہو یا غیر حیوان کا تو خدا اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، اس دن جس میں سوا خدا کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا''۔

اسلام مذہب عدل واعتدال اور انسان کا قدیم ترین مذہب ہے

سوم: اسلام وہ مذہب عدل واعتدال ہے جس کی تاریخ نوع انسانی کی تاریخ سے وابستہ ہے اور جس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:... ھو دین اللہ قبل ان تکونوا حیث کنتم و بعد ان تکونوا فمن اقر بدین الله فھو مسلم و من عمل بما امر الله عز و جل به فھو مومن (وسائل الشیعہ ج 15 ص. 168)

''اسلام تمہاری پیدائش سے پہلے بھی خدا کا دین تھا اور اس کے بعد بھی وہ دین خدا ہے۔جس شخص نے دین الٰہی کا اقرار کیا وہ مسلمان ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے وہ مومن ہے''۔

دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل وانصاف ہے

پیغمبروں کے ذریعہ اس کو دنیا میں بھیجنے اور رواج دینے کی غرض یہی بتائی گئی ہے کہ بندگان خدا کو عدل وانصاف کے طریقے پر چلایا جائے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ... (سورہ حدید:۲۵)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان عمل نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

جور وظلم و بے اعتدالی اس مذہب کے اصول کے حدود سے باہر ہے وہ آدمی کی طرف سے اپنے ہی نفس پر کیا جائے یا دوسرے انسانوں پر، بانی اسلام نے نہایت صاف اور واضح لفظوں میں فرمایا ہے،''اسلام کا بنیادی اصول، کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اگرچہ وہ اس کی ضرر رسانی کا بدلہ کیوں نہ ہو:**لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام**(۱)،اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔''
(نھج الحق:ص۵۰۶)

(۱) مجمع البحرین میں ہے:**الضرر ابتداء او فعل والضرار الجزاء علیه**
یعنی''ضرر کسی کو ابتدأً نقصان پہنچانا ہے اور''ضرار'' کسی کی ضرر رسانی کا بدلہ لینا''۔

یعنی قانون اسلام میں کوئی ایسی دفعہ اور احکام اسلامی میں کوئی ایسا حکم نہیں، جس کے وضع کرنے کی غرض بندگان خدا کو ضرر پہنچانا ہو، یا جن کو صحیح طریقہ پر زیر عمل لانے سے خلق اللہ کو ضرر ونقصان

پہنچتا ہو، نیز اسلام اس پر بھی راضی نہیں کہ کسی کی ضرر رسانی کا بدلہ ضرر رسانی سے لیا جائے۔
یہ زرین اصول دستور اسلامی کے لئے بنیاد کی حقیقت رکھتا ہے قوانین معیشت انھیں کے ماتحت بنائے گئے ہیں لہٰذا ہر وہ طریقہ جس سے انسانیت پر ظلم ہوتا ہو اور بشریت اس سے ضرر رسیدہ ہوتی ہو، غیر اسلامی ہوگا، خواہ وہ کسب دنیا کے لئے اختیار کیا جائے یا طلب آخرت کے لئے عصر حاضر کے ادیان مروجہ ایسے اعلیٰ اصول کی مثال نہیں لا سکتے۔

انسان کے لئے کونسا نظام معاشی مناسب ہوگا؟

چہارم: انسانی زندگی کے لئے معاشی نظام تجویز کرنے اور اس کو زیر عمل لانے سے پیشتر فطرت انسانی پر غور وفکر کرنا اور یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ حقیقت انسانیہ کیا ہے اس کے ضروریات ولوازم کیا ہوں گے؟ انسانیت کس چیز کا نام ہے؟

انسان کی حقیقت کیا ہے؟

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ''انسان'' نہ صرف بدن کا نام ہے۔ اور نہ فقط روح کا بلکہ ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حقیقت انسان کا تعلق جسمانیت وروحانیت دونوں سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسانی حقیقت کے یہ دونوں جز ترکیبی اپنی خواہشیں اور ضرورتیں الگ الگ رکھتے ہیں اور ہر ایک کا رزق اور غذا جس سے وہ قوت ونشونما پاتا ہے، دوسرے کے رزق اور غذا سے مختلف ہے، ہر عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ انسانیت کی صحیح تربیت و پرورش کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان دونوں جزوں کی خواہش اور ضرورتوں کو ان کے حسب حال اور مطابق فطرت طریقے پر پورا کیا جاسکے۔ اگر صرف ایک خبر کی طرف توجہ کی گئی اور دوسرے کو نذر تغافل و بے اعتنائی

کر دیا گیا تو ان کی قوت گھٹتی جائے گی اور رفتہ رفتہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات منشاء فطرت کے خلاف ہو گی، تجربے سے ثابت ہے کہ فطرت کا کوئی کام اور قدرت کا کوئی عمل بے فائدہ و بے مقصد نہیں، خدا نے کسی ایسی چیز کو وجود کی نعمت اور ہستی کی خلعت سے سرفراز نہیں کیا جو عبث و بے کار ہو، لہٰذا حقیقت انسانیت کا کوئی جز جسمانیت یا روحانیت اگر بے فائدہ و لا حاصل ہوتا تو فطرت کی دنیا میں اسے جگہ نہ ملتی، اور قدرت خدا اس کو ہرگز پیدا نہ کرتی۔

ظاہر ہے کہ دونوں جزوں (بدن و روح) میں سے کسی ایک جز کو فنا کر دینے کا نتیجہ خاتمۂ انسانیت ہے، اس صورت میں آدمی یا خالص مادی یعنی حیوان ہو گا، یا محض فرشتہ جس کو اس دنیا کی مادیت و جسمانیت سے واسطہ نہیں، صورت انسانیت بہرحال بے ثمر و لا حاصل رہے گی۔

انسان حیوان بن کر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بنا سکتا

یہاں یہ بات نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کہ اگرچہ انسان حیوان بلکہ حیوان سے بدتر ہو سکتا ہے مگر اپنی عقلی فطرت اور اس کے نتائج سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ خالص حیوان بن سکتا ہے مگر حیوان کی طرح غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا۔ عقلی فطرت نے اس کو ہستی کے پاؤں میں جو ذمہ داریوں کے بندھن ڈال رکھے ہیں ان سے آزادی ناممکن ہے وہ مادیت و جسمانیت میں شدت انہماک کی وجہ سے تو حیوان بن سکتا ہے، لیکن حیوانوں کی طرح خوف باز پرس خطرہ و مسئولیت سے آزاد نہیں ہو سکتا ہے، سی طرح انسان ترک دنیا کے ذریعہ فرشتہ بن جانے کی کوشش کر سکتا ہے، مگر فرشتوں کی طرح مادی دنیا سے فطری بے نیازی و استغنا حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ مادی مخلوق ہے اس کی پرورش چمنستان دنیا ہی میں ہونا ہے اس کے نخل ہستی نے اس چمن کی ہوا کھا کر نشو و نما پائی ہے اور اسی چمن میں بہرحال اس کو رہنا ہے، پھر اس کی یہ

کوشش کہ چمن دنیا کی ہوا نہ لگے محض ناکام کوشش ہوگی وہ مجرد فرشتہ کبھی نہیں بن سکتا اور بالفرض اس کو مرتبہ ملکیت حاصل بھی ہو جائے تو انسانیت کا فطری شرف کھو بیٹھے گا، جس کی بنا پر وہ مسجود ملائکہ بنایا گیا تھا۔ فرشتے نمائندۂ انسانیت کے آگے سر بسجود تعظیم ہوئے تھے نہ کہ نمائندہ ملکیت کے سامنے انسان کے لئے باعث شرف وکمال اس کی انسانیت ہے نہ کہ ملکی طبیعت اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اس بات میں اشتباہ نہیں ہوسکتا کہ روح و بدن کے مجموعہ مرکب انسان کے لئے مناسب فطری وہی نظام معیشت ہوسکتا ہے جو روح و بدن دونوں کی خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہو جس میں دونوں کو حسب منشاءِ فطرت ایک ساتھ قوت پانے اور نشو ونما کے درجہ تک پہنچنے کا بندوبست کیا گیا ہو۔ بنا بر اصول عدل وانصاف اس کا انتظام موجود ہو کہ روحانیت وجسمانیت دونوں میں کسی کے حق میں ظلم واقع نہ ہونے پائے جہاں دونوں کے مفاد ٹکراتے ہوں ان میں صلح واعتدال کی حالت پیدا کردی گئی ہو، حاصل کلام یہ ہے انسان کے لئے ایسا ہی نظام معاشی درکار ہے جو اس کو حقیقی معنوں میں انسان بنائے۔ ایسے نظامات جن کا نصب العین اور انجام خالص جانور یا مجرد فرشتہ بنانا ہو حسب حال انسان اور نظام اسلامی نہیں ہو سکتے ، نظام اسلامی بس وہی ہوسکتا ہے جو اپنی جامعیت و وسعت واعتدال پسندی کی وجہ سے روحانیت وجسمانیت دونوں پہلوؤں کو مطمئن اور ترقی یافتہ کرسکتا ہو۔ یہ مقام نازک ہے، عقل کے قدم یہاں اکثر پھسل جاتے ہیں، لہٰذا توضیح کے لئے کچھ اور کوشش نفع سے خالی نہ رہے گی ،ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کھاتے پیتے ، چلتے پھرتے سوتے جاگتے اور جسمانی لذات سے مسرت اندوز ہوتے ہیں پھر کیا ہم انھیں صفتوں کی وجہ سے انسان ہیں؟ اور کیا یہ نظریہ درست اور مناسب حال انسانیت ہوسکتا ہے؟۔ اور ہم محض کھانے پینے ،سونے جاگنے اور چند روز عیش و طرب کے سامانوں میں رہ کر ہمیشہ کے لئے آغوش عدم میں چلے جانے اور ہمکنار فنا ہو جانے

کے واسطے پیدا کیئے گئے ہیں۔ہم کو دنیا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور زندگی دنیا ہی تک ہمارا مقصد ہستی محدود ہے ہماری زندگی کے مقاصد دنیا سے آگے نہیں بڑھتے؟ کیا دنیا کا مال و دولت اور آرام و چین ہی انسانی سعادت و اقبال مندی و خوش نصیبی کی انتہا ہے؟

عقل انصاف پرور سے پوچھا جائے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر انسان کو محض حیوان صفت بنانا ہوتا، اس کی غرض خلقت زندگیٔ دنیا تک محدود ہوتی، اس کا وجود صرف اس لئے ہوتا کہ چند روزہ زندگی میں کھائے، پیئے، چین کرے اور بالآخر ہمیشہ کے لئے پیوند خاک ہو جائے تو اس کو قوت عقل و شعور نہ دی جاتی اور اس کو انجام بیں نہ بنایا گیا ہوتا کیونکہ ان چیزوں کو اس کے اس مقصد ہستی سے کوئی مناسبت نہ ہوتی، اور نہ اس کو اس مقصد کی تکمیل میں ان کی ضرورت پڑتی، بلکہ یہ چیزیں اس کے مذکورہ بالا مقصد ہستی میں بڑی رکاوٹ ہیں، عقلی غم انگیز و شعور انجام بیں اور فکر رنج خیز کا حاصل زندگیٔ دنیوی کی بے لطفی و بدمزگی کے سوا اور کیا ہے، انھیں رکاوٹوں کی بدولت انسان حیوانوں کی طرح خالص اور مکمل سکون دل و بے فکری کی زندگی سے محروم ہے، غم فرط اور رنج دنیا اس کو کمال عیش و طرب سے روکتا ہے، اس لحاظ سے حیوانات کا حال انسان سے کہیں بہتر ہے، ان کے خیالات کے شیرازے کو حوادث دنیا پریشان نہیں کرتے ان کے سکون دل میں کوئی خیال فکر انگیز خلل انداز نہیں ہوتا، غبار رنج و مال دنیا سے ان کے آئینۂ ہائے دل مکدر نہیں ہوتے وہ اپنی خواہشوں کی تحصیل میں آزاد ہیں۔ان کی دنیائے عیش و مسرت میں غم فردا اور رنج عاقبت کی آندھیاں نہیں اٹھتیں اور غبار فکر انجام محیط فضا نہیں ہوتا۔لہٰذا اسیر عقل و ہوش و کشتۂ خرد تفکر خیز انسان جسمانی لذتوں اور مسرتوں کے خالص اور کامل ہونے میں آزاد حیوانوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے؟

جن دماغوں میں اس خیال کی پرورش گاہ ہے کہ انسان محض دنیا کے لئے پیدا کیا گیا

ہے۔ وہ دراصل انسانیت وحیوانیت کا دقیق ولطیف تفرقۂ امتیاز سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے، اگر ان میں قوت تمیز ہوتی تو اس حقیقت سے ناواقف نہ رہ جاتے کہ حواس کی دنیا عالم حیوانیت ہے اس عالم سے آگے قدم نہ بڑھانے والے کے لئے قوت عقل وملکہ انجام بینی کی ضرورت نہیں، بدنی وحسی لذتوں اور مسرتوں کے لئے صرف حواس ظاہرہ کی صحت وقوت کی ضرورت ہے، عقل و شعور وقوت انجام بینی کا وجود نہ فقط غیر ضروری بلکہ باعث ضرر ہے، چونکہ حیوانات بس اسی دنیا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کی زندگی کے مقاصد واغراض میں ماوراء عالم جسمانی ومادی کسی اور دنیا کا تصور نہیں لہٰذا فطرت نے ان کو جوہر عقل وشعور سے دور رکھا اور صرف حواس ظاہرہ بخشے اور انسانی مشاعر حسی سے زیادہ قوی اور مکمل حسی قوتیں عطا کیں جن کی وجہ سے وہ جسمانی لذات کو حسب خواہش دل بغیر کسی عقلی مزاحمت اور فکری رکاوٹ کے بھرپور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فطرت کے خزانے کا جوہر عقل وشعور سے خالی رکھا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ محض حیوانی زندگی بسر کرنے اور دنیوی نعمات ولذات سے بہرہ مند ہونے کے لئے عقل وخرد کی حاجت نہیں ہے

حیوانیت وانسانیت کے حدود

حواس ظاہرہ کی دنیا عالم حیوانیت ہے انسانیت کی حد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے نور عقل کا ظہور ہوتا ہے، اور اس کا ظہو یہ ثابت کرتا ہے کہ انسانیت کا علاقہ اس دنیا سے بھی ہے جس میں حواس ظاہرہ کام نہیں دے سکتے۔ اور اس کو ایسی لذتیں اور مسرتیں بھی نصیب ہوسکتی ہیں جن سے حواس ظاہرہ نا آشنا ہیں، جولوگ محض ظاہر حیات دنیا کا تصور رکھتے ہیں وہ حیوانیت وانسانیت کے دقیق فرق اور حقیقت انسانیت کے مقصد ہستی کا حیوانی غرض خلقت سے امتیاز نہیں کر سکتے وہ اس سے غافل ہیں کہ انسان اگرچہ حیوان بھی ہے اور انسانیت

میں حیوانی حصے بھی موجود ہیں مگر صرف وہی مقصود فطرت نہیں ہیں بلکہ یہ حصے اس لئے رکھے گئے ہیں کہ انسانیت کو خالص ملکیت سے امتیاز پانے میں ان کی حاجت تھی۔ اور ملکیت پر انسانیت کا تفوق ان کی امداد اور اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا، انسان کی مرکب فطرت کو سمجھنے والے اس میں شبہ نہیں کر سکتے کہ اس کو ایسے ہی نظام معیشت کی ضرورت ہے جو اس کو خالص حیوان نہ بنائے۔ گو اس سے حصۂ حیوانیت کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے کیونکہ اس صورت میں وہ فنا ہو کر وجود انسانیت کو بھی ناممکن بنا دے گا۔

ایسا جامع نظام وہی ہو سکتا ہے جو اخلاقی بنیادوں پر مرتب کیا جائے اور حیوانیت و انسانیت کے درمیان حالت اعتدال پیدا کرنے والا ہوتا کہ دنیوی معیشت کے وسیع وسائل و اسباب سے اس طرح فائدہ حاصل کیا جا سکے کہ انسان کی عقلی و اخلاقی ترقی میں سدراہ نہ بنیں اور حیوانی حصہ معتدل و ترقی یافتہ ہو کر انسانیت کا مددگار بن سکے، وہ نظام جو اس کے خلاف ہو وہ انسانی فطرت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔

سگ دنیا بن جانا آسان ہے مگر انسان عادل بننا مشکل ہے اسی طرح تارک الدنیا و زاہد، خشک بن جانا سہل ہے مگر مرد باعمل بننا دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ محض دنیا دار و زاہد خشک عالم میں بکثرت پائے جاتے ہیں، اور انسانی عقلوں نے افراد انسانی کے لئے ابتداء تمدن سے آج تک جتنے نظامات تیار کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی افراط و تفریط اور بے اعتدالی سے خالی نہیں۔

عالم کے غیر معتدل نظامات معیشت کی دو قسمیں

ایک قسم ایسے نظامات کی ہے جو آدمی کو محض دنیا دار و آخرت فروش بناتے ہیں اس کو نہ ماوراء دنیا زندگی کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف کسی طرح کی اصلاحی توجہ، ایسے ہی لوگوں کا

تذکرہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

(۱) يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (سورۂ روم:۷) ''یہ لوگ بس ظاہر زندگی کو بنا کر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں''۔

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ . أُوْلَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُون . (سورۂ ہود:۱۵و۱۶)

''جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آزمائش و زینت کا خواہاں ہے ہم اس کے کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیں گے وہ لوگ اس معاملے میں گھاٹے میں نہیں رکھے جائیں گے، مگر یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں، ان لوگوں کی تمام کارگذاریاں اکارت جائیں گی اور دنیا میں جو کچھ کیا کرتے تھے وہ سارے اعمال ملیا میٹ ہوجائیں گے''۔

دوسری قسم ان میں سے ایسے نظامات کی ہے جن کو اختیار کرنے کا حاصل غیر معتدل زہد کے طریقوں پر لگ جانا ہے جس انسان کے لئے نہ صرف دنیا و مافیھا بلکہ خود اس کی ہستی بھی سراسر مہمل، عبث ولا حاصل ہوجاتی ہے اس کی زبان حال، ارشاد ربانی: ''ربنا ما خلقت هذا باطلا'' کی تصدیق کرنے پر تیار نہیں ہوتی اور وہ عملی طور پر فرمان خداوندی: ''جعل لكم ما فی الارض جمیعا'' کو جھٹلاتا ہے غرض اس کے فلسفہ زندگی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عالم انسانیت سے اس کو نفرت ہوتی ہے اور تمام دنیا اور خود اس کا دفتر وجود بھی بالکل بے معنی و بے مقصد ہوکر رہ جاتا ہے۔

صرف اسلام کا نظام معاشی معتدل اور مطابق فطرت انسانی ہے

ان غیر معتدل کے درمیان مسلک اعتدال وہ ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے جناب رسول خداؐ اور آئمہ ھدیٰ اور ان حضرات کے ساتھ، عارفین کی سیرتیں جس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اس کا خلاصہ علامہ مجلسیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

انھم ما کانوا یاخذون الدنیا للدنیا بل الذین وما کانوا یتربصون و یھجرون الدنیا با لکلیۃوما کان لھم فی الامور تفریط ولاافراط بل کانوا بین ذالک تعاما و ذالک ھو العدل والوسط بین الطرفین و احب الامور الی اللہ تعالیٰ

(شرح اصول کافی، ج۲،ص۳۰۹)

''یہ حضرات دنیا کو دنیا کے واسطے نہیں بلکہ دین کے واسطے طلب کرتے تھے رہبانیت ان کا طریقہ اور دنیا کو بالکل ترک کر دینا اس کا شیوہ نہ تھا ان امور میں افراط وتفریط ان کے یہاں نہ تھی بلکہ وہ حد اعتدال پر قائم تھے اور یہی بات خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے''۔

اعمال انسانی کی بنیاد دو قسم کے نظریے ہیں:

نظریہ الحاد و لا مذہبی اور نظریہ خدا پرستی

پنجم: دنیا میں دو قسم کے نظریہ وفلسفہ انسان کے اعمال کے بنیاد بنتے ہیں ایک نظریۂ الحاد و لا مذہبی اور دوسرا فلسفۂ خدا پرستی و ایمان باللہ والیوم الآخر .

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں کا انسانی اخلاق و کردار پر کیا اثر ہوتا ہے اور ان کی بنیاد پر جو قوانین بنائے جائیں گے ان کی نوعیت کیا ہوگی؟۔

نظریہ الحاد اور لامذہبی کا خلاصہ یہ ہے کہ ''ہستی میں کوئی خدا نہیں ہے جو انسانی افعال کا دیکھنے والا اور ان پر باز پرس کرنے والا ہو ہم آزاد مطلق ہیں ہم کو اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں کسی غیبی طاقت کا خوف نہ ہونا چاہیے زندگی دنیا ہی تک محدود ہے ہمارے افعال کی طرح ان کے ثمرات و نتائج بھی دنیوی زندگی ہی تک ختم ہو جاتے ہیں اسے کون نہیں جانتا کہ ہر ظاہر و باطن کے رقیب و ناظر خدا، اور جزا اور روز جزا کے انکار کے بعد انسان ہوا و ہوس اور نفس امارہ کی مطلق العنانی کی روک وتھام دشوار ہو جائے گی جب انسان یہ سمجھ لے گا کہ زندگی چند روزہ ہے یہاں دنیا کی مدت قلیل کے بعد ہمیشہ کے لئے خزاں ہی خزاں ہے تو اسے کوئی اخلاقی قوت دنیا کی نعمتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے ان سے زیادہ سے زیادہ لذت یاب ہونے سے نہ روک سکے گی بندۂ حرص و ہوا بن جانے اور بہیمانہ جذبات پر دل کھول کر عمل کرنے سے کوئی چشم نمائی کرنے والا نہ ہوگا ہم دیکھتے ہیں کہ دنیائے الحاد اور لامذہبی نے ''حیا و قناعت'' ایسے گرانقدر اخلاق کو فلسفۂ اخلاق سے خارج کر دیا گیا ہے، ایسا ہی ہونا ہی چاہیے تھا۔

واقف رموز فطرت پیامبر اسلامؐ فرما گئے ہیں: '' **لا دین لمن حیا له** ''، یعنی دین اور حیا میں تلازم ہے جہاں ایک نہیں وہاں دوسرا بھی نہیں ہوگا اور جب حیا نہ ہوگی تو آدمی کے اعمال و کردار پر کوئی پابندی روک ٹوک باقی نہ رہ جائے گی۔

حدیث نبوی میں ہے: '' **اذا لم تستحی فافعل ما شئت** ''

''جب تم میں حیا و شرم نہیں ہو تو جو چاہو کرو''

اسی طرح باعث ظہور خلق و قناعت صرف امید مستقبل و آرزوئے فردا ہو سکتی ہے یعنی یہ توقع کہ آج کی کمی کل پوری ہو جائے گی۔ جہاں نہ دین ہوگا نہ حیا نہ قناعت نہ مستقبل کی توقع اور آئندہ کی امید، وہاں نفس امارہ کا آزاد مطلق ہو جانا لازم ہوگا۔ آدمی اس خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے نہ روک سکے گا کہ جتنا ممکن ہو دنیا میں کھا پی لو، چین کر لو، عیش و عشرت اور

لذت ومسرت کے اسباب فراہم کرنے میں کمی نہ کرو، عیش کوشی اور متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی میں کمی ہمیشہ کے خسارہ کا باعث ہوگی، چونکہ مذکورہ بالا خیال ونظریہ کے تحت ہر فرد بشر اسیر حرص وہوا ہوگا اس کی ہمت وفکر دنیا طلبی کے میدان میں مقید ومحدود نہ ہوگی۔لہٰذا افراد انسانی میں بغض وحسد تفاخر وتکاثر کے جذبات ابھریں گے جن کا انجام بدنظمی عالم اور ہمہ گیر فتنہ وفساد ہوگا ،امن وامان اورسکون واطمینان کی نعمت میسر نہ ہو سکے گی آدمی کی غیر معتدل دنیا طلبی اس کو دین کی طرح دنیا سے بھی محروم کردے گی ، افراط ہوس دنیا کی بدولت عیش زندگی ناپید ہوجائے گا ،اورانسانی احوال اس تصویر کے عین مطابق ہوں گے جواس آیت قرآنی ، کے آئینہ میں دکھائی گئی ہے:

”ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللهِ فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ“ (سورہ نحل:۱۱۲)

”خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان کی جس کے باشندے امن وچین میں مطمئن زندگی گذار رہے تھے ہر طرف سے ان کی روزی بافراغت چلی آتی تھی ۔مگران لوگوں نے نعمات الٰہیہ کی ناشکری کی تو خدا نے ان کے کافرانہ کرتوتوں کی بدولت بھوک اور خوف کوان کا اوڑھنا اور بچھونا بنادیا“

کیا آج نام نہاد عقلاء عالم کی شامت اعمال اور الحاد پرستی وانکار خدا اور روز جزا کے تاریک جذبات کے ماتحت بنائے ہوئے نظامات ہی کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ خوف وحراس اور فاقہ مستی کی کالی گھٹاؤں نے عالم انسانیت کوگھیر لیا ہے؟ اوران کے ملحدانہ نظریات واصول ہی کا یہ تلخ ثمرہ نہیں ہے کہ عام خلائق کو معاشی مشکلات کا سامنا ہے؟ ہوس دنیا کے بندے خیر دنیا سے

بھی اس طرح محروم ہوتے جاتے ہیں جس طرح وہ حسن آخرت سے مایوس تھے؟ دنیا کے حال خراب کی زبان پر عبرت ونصیحت کے پیغام تو بہت ہیں، مگر سننے والے بہت تھوڑے بلکہ ناپید ہیں۔

نظریہ مادیت والحاد اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشکل مکالمہ

نظریہ خدا پرستی اور ایمان باللہ ہو ایمان بالیوم الآخر پر جو نظام معیشت قائم کیا جائے گا اس کی صورت حال مذکورہ بالا نوعیت سے مختلف ہوگی یہ دونوں نظریہ مع اپنے نتائج کے قرآن مجید میں بصورت مکالمہ مومن وملحد مذکور ہیں:

(ترجمہ) ''اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے بیان کرو مثل ان دو شخصوں کی جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کئے تھے، اور خرمے کے درختوں سے ان باغوں کو گھیر دیا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان زراعت بھی قرار دی تھی۔ وہ دونوں باغ خوب پھل لائے پھل لانے میں کچھ کمی نہیں کی اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کردی تھی۔ وہ شخص اپنے ساتھی سے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں، اور جتھے کے اعتبار سے تم سے زیادہ باعزت ہوں (یہ باتیں کہتا ہوا) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا ۔درحالیکہ وہ (کفران نعمت خدا کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا، (وہاں) وہ بول اٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہوجائے گا۔ اور مجھے یہ خیال نہیں ہوتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور (بالفرض) میں پروردگار کے پاس لوٹایا گیا تو (وہاں بھی) اس سے اچھی جگہ یقیناً پاؤں گا، (یہ باتیں سن کر) اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا یہ کہا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر تجھے معتدل و درست قد

وقامت کا آدمی بنایا۔لیکن ہم تو (یہ کہتے ہیں کہ) وہی خدا میرا پالنے والا ہے، میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا، جب تو نے باغ میں قدم رکھا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ (یہ خدا ہی کی مرضی سے ہے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ (سب قوت اور بل بوتے بس خدا ہی کے دئے ہوئے ہیں، اگر مال واولاد کی تجھے میرے پاس کمی دکھائی دیتی ہے تو عنقریب خدا مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا۔اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت آسمان سے نازل کرے گا جس سے وہ صاف چٹیل میدان بن جائے گا، یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے گا، پھر تجھے ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) عذاب خدا نے اس کے پھلوں کو گھیر لیا تب وہ کف افسوس ملنے لگا (نظر کے سامنے) باغ الٹا پڑا تھا اور وہ بحسرت کہہ رہا تھا کہ کاش میں پروردگار کا شریک کسی کو نہ بناتا''

(سورۂ کہف، آیات ۳۲ تا ۴۲)۔

انسان کا اہم مقصد خوف وحزن سے نجات ہے اور وہ صرف زبانی ہدایت نامہ سے پورا ہوسکتا ہے

انسان کا سب سے بڑا مقصد زندگی یہ ہے کہ خوف وحزن سے نجات پائے اور امن وامان وخوشحالی اس کو میسر ہو، قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ زندگی کے طریقوں کی طرف ہدایت کرنے کا ذمہ دار خدا ہے. انّا علینا للھدی ''راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے'' اور خدا ہی کے ہدایت نامہ پر چلنے اور عمل کرنے سے انسان خوف وحزن سے نجات پا سکتا ہے:

(ترجمہ) ''ہم نے یہ کہہ دیا کہ تم سب یہاں سے اتر پڑو تمہارے پاس اگر میری طرف سے ہدایت آئے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان کے واسطے نہ خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے'' (سورۂ بقرہ: ۳۸)

جس دستور ہدایت کی جانب اس آیۂ مبارکہ میں اشارہ ہے وہ نظام اسلامی ہے جس کی ابتداء انسانیت کے سب سے پہلے نمائندے حضرت آدم سے ہوئی، اور حسب رفتار زمانہ نسل انسانی کی ترقی پذیری کے ساتھ ارتقاء کے درجے طے کرتا ہوا حضرت خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ سے مرتبۂ کمال کو پہنچا اور وہ آج دنیا کے سامنے موجود ہے، اس کے بنیادی نظریات وہ اصول کا مجمل خاکہ یہ ہے:

اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ

انسان کا خدا سے تعلق

(۱) انسان مخلوق خدا ہے اور خدا ہی اس کا پالنے والا اور امیدوں کا سہارا ہے لہٰذا اس سے ایسے تعلقات کا قائم کرنا ضروری ہے جو خالق ومخلوق کے درمیان مناسب ہوں۔

انسان تنہا نہیں پیدا کیا گیا

(۲) انسان دنیا میں تنہا نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ سفر ہستی میں اس کے رفیق اور نعمت وجود میں اس کے شریک دوسرے افراد بھی ہیں۔ جو اسی کی طرح انسان اور خدا کی مخلوق ہیں، اور ملک خدا میں ان کے حقوق بھی اسی کے برابر ہیں، نیز کمال زندگی تنہائی وعزلت کی زندگی نہیں۔ انسان طبعی طور پر اپنے ہمجنسوں کے تعاون واشتراک عمل کا محتاج ہے بغیر اس کے وہ اپنے ضروریات زندگی ولوازم معیشت کو مہیا نہیں کرسکتا، لہٰذا ازروئے انصاف حقوق ومنافع میں ان کو اپنے برابر رکھنا چاہیئے، انسانی جماعت کی مثال بدن انسانی کی ہے اور ہر فرد اس کے عضو کی حیثیت رکھتا ہے اگر اعضاء دکھ ودرد میں باہم شریک نہ ہوں تو اس کا انجام فساد بدن ہے۔ بدن جو غذا حاصل کرتا ہے وہ تمام اعضاء بدن میں حسب ضرورت ومناسب حالت تقسیم ہوتی ہے، کوئی عضو دوسرے کے لوازم وضروریات میں مزاحمت نہیں کرتا اگر ان میں فطری رواداری نہ

ہوتی تو نظام بدن بگڑ جاتا۔ لہٰذا ہر فرد بشر کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ سلوک میں اسی مثال پر چلنا ہوگا۔ انفرادی و شخصی خیر منفعت کو اجتماعی مفاد اور بہبود سے الگ نہ ہونا چاہیئے۔ انسان کی حرکات عمل کو ایسا ہونا چاہیئے۔ جو اس کے ذاتی خیر کا باعث ہوں اور دوسروں کے فوائد کا سبب بھی۔

اگر چہ انسان دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے مگر دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے

(۳) اگر چہ آدمی دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے غرض خلقت انسانی، دنیا اور اس کی نعمتیں نہیں مگر دنیا و مافیہا کی پیدائش انسان ہی کے لئے ہوئی ہے انسانی ہستی کو ہٹا لینے کے بعد خلقت دنیا بے فائدہ ٹھہرتی ہے لہٰذا ہر فرد انسانی کو دنیا و اسباب دنیا و سامان معیشت سے فائدہ حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

دنیا و مافیہا میں تصرف کی دو ضروری شرطیں

(۴) مگر دنیا و مافیہا پر تصرف کا حق قائم کرنے کے لئے دو شرطوں کا لحاظ ضروری ہے:

(اول) دنیا اور مافیہا اور خود انسان کا خالق و مالک حقیقی بھی خدا ہی ہے اس کا حق تصرف خدا ہی کا عطیہ ہے، اس لئے ہمارے تصرفات کا خدا کے حقوق مالکانہ سے تصادم نہ ہونے پائے، حدیث میں ہے کہ ''حقیقت عبودیت یہ ہے کہ خدا کی دنیوی بخششوں کو اپنی ملکیت نہ جانے بلکہ مال دنیا کو مال خدا سمجھے، اور خدا کے فرمان کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کی ایک کڑی ہے

(۵) انسان کی مدت حیات فقط زندگیٔ دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دور زندگیٔ دنیا حیات بے پایاں کا ایک حصہ ہے، عمر رواں اس سلسلۂ زندگی کا ایک ٹکڑا ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، موت اس سلسلۂ زندگی کو ختم نہیں کرتی، بلکہ اس کے ایک دور کو تمام کرتی ہے۔ جس کے بعد دوسرا دور حیات شروع ہوتا ہے، موت قطع رشتۂ حیات کا نام نہیں بلکہ انقلاب دور حیات و طرز زندگی و انتقال مکانی کا نام ہے، اور فقط روح انسانی ہی کے لئے بقائے دوام نہیں، بلکہ موت کی تفرقہ اندازی کے ہاتھوں بچھڑا ہوا بدن بھی ترقی یافتہ صورت میں پھر وابستۂ روح کر دیا جائے گا، اور اس طرح جو انسانی حقیقت دنیا میں تھی وہی عالم آخرت میں بھی تا ابد رہے گی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہر آدمی کو کاربار دنیا میں یہ خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ دور زندگیٔ دنیا کے بعد بھی ایک دور زندگی ہے، لہٰذا اس زندگی کا تعلق دوسرے دور حیات سے منقسم نہ ہونے پائے، جس طرح ہر مرد عاقل کی کاروبار دنیا میں ہر روز کی سعی محض اسی روز کے لئے نہیں ہوتی بلکہ آنے والے ''کل'' کے لئے بھی ہوتی ہے ان کی نظر ہر حال میں مستقبل پر بھی رہتی ہے، اج کوئی ایسا قدم اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ جس سے ''کل'' گرفتار مصیبت ہو جائے، اور جس طرح اس کی ''آج'' کی سعی عمل محض ''آج'' کے لئے نہیں بلکہ ''کل'' کے واسطے بھی ہوتی ہے، اسی طرح یہ خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ آخرت کے کام بھی دنیا ہی میں کئے جا سکتے ہیں، آنے والے دور حیات کی بھلائی کے لئے بھی دوڑ دھوپ مدت حیات ہی میں کی جا سکتی ہے، لہٰذا انسانی کوششیں دنیا طلبی میں اس طریقے پر ہوں کہ آخرت سے رشتہ نہ ٹوٹے، دنیا بھی حاصل ہو اور دین بھی، معیشت دنیوی بھی درست ہو سکے اور آخرت کی زندگی بھی۔

اسلام کا یہ وہ مخصوص نظریہ ہے جس کی مثال دیگر مذاہب حاضرہ کے فلسفوں میں نہیں

ملتی قرآن مجید واحادیث میں متعدد جگہوں پر اس نظریہ کو واضح کیا گیا ہے:

دنیا بھی انسان کی اور آخرت بھی

چند آیات واحادیث یہ ہیں:

(۱) وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ... (هود/۳)

”اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگو اور توبہ کرو، وہ تمہیں مقرر مدت تک اچھا سرمایۂ زندگی دے گا، اور وہی ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت (کا ثمرہ) عطا فرمائے گا۔“

(۲) وَابْتَغِ فِيمَا آتَاکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلاتَنسَ نَصِيبَکَ مِنْ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْکَ وَلاتَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لايُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (سورۂ قصص:۷۷)

”خدا نے تجھے جو کچھ نعمتیں بخشی ہیں، ان کے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بھی جستجو کر اور دنیا سے جتنا حصہ تیرا ہے اس کو بھی فراموش نہ کر، جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی دوسروں پر احسان کر، اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک خدا فساد برپا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“۔

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورۂ نحل:۹۷)

”مرد یا عورت جو آدمی اچھے کام کرے گا اور ایماندار بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک زندگی بسر کرائیں گے، اور آخرت میں ان لوگوں کو اچھے سے اچھا اجر وثواب دیں گے۔“

(۴) فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورۂ آل عمران:۱۴۸)

''خدا نے ان کو ثواب دنیا عطا کیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا اور خدا تو نیک کردار لوگوں کو دوست رکھتا ہی ہے''۔

(۵)...لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ...

''اچھے کام کرنے والوں کے واسطے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے بہتر ہے''۔(سورۂ نحل؛۱۰)

(۶)حدیث نبوی :''اِنّ لانفسکم علیکم حقا فصوموا وافطروا و قوموا و ناموا، فانی اصوم وافطرواقوم و انام واکل اللحم و الد طهن و آتی النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی''. (مستدرک الوسائل:ج۱۶ ص۵۵)

'' تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے لہٰذا روزے بھی رکھو افطار بھی کرو، راتوں کو نمازیں بھی پڑھو اور خواب استراحت بھی کرلیا کرو، دیکھو، میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نمازیں پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں۔ گوشت و روغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے ازدواجی تعلقات رکھتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

پرہیزگاروں کا دوگنا حصہ

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے :

و اعلموا عباداللّٰہ ان المتقین ذهبوا بعاجل الدنیا و آجل الاخره .فشارکوا اهل الدنیا فی دنیاهم و لم یشارکهم اهل الدنیا فی آخرتهم .سکنوا الدنیا بافضل ما سکنت و اکلوها بافضل ما اکلت فحظوا من الدنیا بما حظ به

المترفون و اخذوا منها ما اخذه الجبابرة المتكبرون .ثم انقلبوا عنها بالزاد المبلغ و المتجر الرابح.اصابوا لذة زهد الدنيا فى دنياهم و تيقنوا انهم جيران الله غدا فى اخرتهم لا تردلهم دعوة ولا ينقص لهم نصيب من لذة .

(نہج البلاغہ، نامہ ۲۷)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے ''بندگان خدا! یہ جان لو کہ پرہیز گار لوگ دنیا و آخرت دونوں کی منفعت حاصل کر کے گذر گئے وہ اہل دنیا کے ان کی دنیا میں شریک رہے ،مگر اہل دنیا ان کی آخرت میں شرکت نہ کر سکے ،وہ دنیا کے بہتر ساکنوں کی حیثیت سے دنیا میں رہے ،اور بہتر سے بہتر طریقہ سے دنیا کی نعمتیں کھائیں ،لہٰذا انھوں نے دنیا سے [illegible] اٹھایا جو خوشحال ثروت والوں کو نصیب ہوتا ہے ،اور وہ چیزیں بھی لیں جو کبر و جبروت کے متوالوں کو میسر ہوا کرتی ہیں پھر اس دنیا سے منزل عادت آخرت تک پہنچانے والے توشے اور پر منفعت تجارت کے ساتھ واپس گئے ،انھوں نے دنیا میں زہد دنیا کی لذت چکھی اور یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ کل کے آخرت میں خدا کے ہمسایہ ہوں گے نہ ان کی دعا بارگاہ الٰہی سے رد ہوگی ۔اور نہ لذت کا کوئی حصہ ان کے لئے کم ہوگا''۔

ارشاد حضرت صادق آل محمدؐ :ليس منا من ترك دنياه لآخرته و اخرته لدنياه. (لئالی الاخبار، ص۱۵۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱۷ ص ۷۷)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے یا آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑتا ہو''

ان تمام آیات و احادیث سے دین اسلام کا یہ نصب العین ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھی انسان ہی کے لئے ہے اور آخرت بھی اسی کے لئے اور وہی نظام زندگی و دستور حیات مناسب

حال انسان ہوسکتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ مقصد پورا ہوسکتا ہو اور دین اسلام کے سوا ایسا جامع وحاوی نظام ودستور العمل اور کوئی نہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

خدا کو بھولنے کا انجام ضیق معیشت ہے

(۹) نظریہ اسلامی یہ ہے کہ جس نظام معیشت کی بنیاد یاد خدا سے غفلت پر ہوگی وہ انسان کی خوشحالی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا، یاد خدا سے منہ موڑ کر انسان کو کشادہ معیشت میسر نہیں ہوسکتی، اس طرح آخرت کو بھول کر دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں سرشار رہنے کا انجام یہ ہے کہ ابدی زندگی خراب ہوجائے گی اور دائمی ناکامی کا سامنا ہو:

(۱) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى(سورۂ طٰہ: ۱۲۴)

''جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہوجائے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''

([illegible] [illegible]هَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تَجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ . (سورۂ احقاف: ۲۰)

''تم اپنے حصہ کی اچھی لذتیں زندگی دنیا میں ہی ختم کر چکے اور اس زندگی میں تم نے خوب چین کئے اور آج تم پر رسوا کن عذاب نازل ہوگا۔ اس لئے کہ تم روئے زمین پر ناحق اکڑتے تھے اور بدکاریاں کرتے تھے''۔

لہٰذا وہ ایسا نظام زندگی پیش کرتا ہے جس سے یاد خدا سے غفلت نہ ہو، خالق سے رشتۂ بندگی نہ ٹوٹے اور زندگیٔ دنیا کی خیر وصلاح اخروی زندگی کی مسرتوں سے پیوستہ رہے۔

ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطۂ خیال

اس مقام پر ضروری ہے کہ دنیا و آخرت کا وہ ربط جو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے، اچھی طرح واضح کر دیا جائے، جس طرح آدمی حیوان بھی ہے اور انسان بھی، اس کی حیوانیت کو انسانیت سے ایسا فطری ربط ہے جس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ،اور انسانیت کا کمال بدون اشتراک جنبہ حیوانیت کے ممکن نہیں۔ جنس حیوان ہی ''عقل و نطق'' کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر نوع انسان بن گئی ہے اسی طرح آدمی کی دنیا کو اس کی آخرت سے علیحدہ کر لینا مشکل ہے اس کی دنیا ہی اس کی آخرت بھی ہو سکتی ہے اسلامی نقطۂ نگاہ کے بموجب دنیا و آخرت میں محض نظری و خیالی فرق ہے جس کو محسوس کرنے لے ئے باریک بینی کی ضرورت ہے۔

حقیقت و ماہیت دنیا

بحر العلوم ملا محمد مہدی نراقیؒ کتاب جامع السعادات میں فرماتے ہیں کہ زمین اور اس کی پیداوار یعنی معادن و حیوان، و نبات دنیا کی حقیقت ہے انہیں موجودات کو دنیا کہتے ہیں ان سب کو خداوند عالم نے اپنے اس ارشاد میں یکجا بیان کر دیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .

''لوگوں کی مرغوب چیزوں مثلاً عورتوں بیٹوں سونے چاندی کے لگے ہوئے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کی محبت اچھی کر کے دکھائی گئی ہے یہی سب چیزیں سرمایۂ حیات دنیا ہیں''۔ (آل عمران:۱۴)

مقصد اور طریقہ تحصیل پر
دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقۂ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الٰہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ وفساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیا آن دنیا بلاغ و دنیا ملعونه،

''دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو ملعونہ (اور قابل ترک) ہو''۔ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲،ص ۳۱۷)

قرآن مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا تذکرہ بن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورۂ حدید:۲۰)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے''۔

(۲) '' وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورۂ حدید:۲۰)

''اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے''

مقصد اور طریقہ تحصیل پر دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقۂ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الٰہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیاآن دنیا بلاغ و دنیا ملعونه،

"دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو ملعونہ (اور قابل ترک) ہو"۔ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

قرآن مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا تذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورۂ حدید: ۲۰)

"جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے"۔

(۲) "وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورۂ حدید: ۲۰)

"اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے"

مقصد اور طریقہ تحصیل پر
دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونے کا مدار ہے

طریقۂ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کہیں قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی وامداد الٰہی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ وفساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیاآن دنیا بلاغ و دنیا ملعونہ،

''دنیا دو طرح کی ہے، ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہے اور دوسری وہ دنیا جو ملعونہ (اور قابل ترک) ہو''۔ (جامع السعادات۔ الکافی: ج ۲، ص ۳۱۷)

حران مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا مذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (سورۂ حدید: ۲۰)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے''۔

(۲) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورۂ حدید: ۲۰)

''اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے''

(۳)إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن:۱۵)

''تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہ سب تمہاری آزمائش کے اسباب ہیں''۔

اگر دنیا ومتاع دنیا کا مقصد لھو ولعب کھیل تماشہ سرمایہ داری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں پر فخر ونازاکثر مال پیدا کرنے میں ناروا مقابلہ ومسابقات ہے تو یہ دنیا کا برا اور بدنما اور قابل نفرت رخ ہے۔

مذموم دنیا کی تصویر

جناب صادق آل محمد علیھم السلام نے قابل مذمت دنیا کی تصویر اس ارشاد میں کھینچی ہے.

الدنیا بمنزلة صورة راسها الکبر و عینها الحرص و اذنها الطمع ولسانها الریاء و یدها الشهوة و رجلها العجب و قلبها الغفلة و لونها الغنا و حاصلها الزوال (لئالی الاخبار ص ۲۱۔ مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸)

دنیا بمنزلہ ایک ایسی صورت مجسمہ کے ہے جس کا سر تکبر ہے اور آنکھ حرص ہے کان طمع ہے زبان ریاء ہے اور ہاتھ خواہش نفس اور پاؤں خود بینی وخود پسندی، قلب غفلت اور رنگ غنا اور جس کا نتیجہ زوال ہے۔''

دنیا کا قابل مدح پہلو

دنیا کا قابل مدح پہلو آیتوں میں مذکور ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

(۱) فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ (سورۂ جمعہ:۱۰)۔

''زمین میں جہاں چاہو آ وَ جاؤ اور خدا کے فضل ورزق کی جستجو کرو''۔

(۲) وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللهِ (مزمل:۲۰)

''اور بعض لوگ فضل خدا رزق کی جستجو میں روئے زمین پر سفر کریں گے''۔

(۳)وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّات (نوح:۱۲)

''اور خدا مال اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا تمہارے لئے باغ بنائے گا''۔

(۴)اَلشَّيطَانُ يَعِدُكُم الفقرَ و يَأْمرُكم بالفحشاءِ و اللّٰه يَعدكُم مغفرةً منه فضلًا... (بقرہ:۲۶۸)

''شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بری خصلت بخل کا حکم دیتا ہے اور خدا اپنی بخشش اور فضل و وسعت رزق کا وعدہ فرماتا ہے''۔

(۵) اِنْ تَرَكَ خَيراً الْوَصِيَّةُ (سورۂ بقرہ،۱۸۰)

''اگر وہ کچھ خیر (مال) چھوڑ جائے تو وصیت کرے''۔

ان آیتوں میں خدا نے مال دنیا کو اپنا فضل اور اپنی امداد کہا ہے اور خیر سے تعبیر کیا ہے اور یہ اس کا مستحسن اور قابل مدح رخ ہے جس کو بکثرت احادیث میں بھی واضح کیا گیا ہے:

مال صالح:

(۱)نعم المال الصالح لرجل الصالح (اصول کافی)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''کیا اچھا ہے مال صالح مرد صالح کے لئے''۔

دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے

(۲)نعم العون علیٰ الآخرة الدنيا . (وسائل الشيعه)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''دنیا تحصیل آخرت پر اچھی مددگا ہے''۔

پرہیز گاری کے لئے دولت اچھی مدد گا رھے

(۳)نعم العون علیٰ تقوى الله الغنیٰ (لئالی الاخبار)

''مالداری پرہیزگاری پر اچھی مددگار ہے''۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

(۴) الدنیا مزرعة الآخرة ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''

طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کے ساتھ دوسروں کی منفعت کا خیال

(۵) من طلب الدنیا استعفافا عن الناس وسیعا علی اهله و تعطف علی جاره لقی الله یوم القیامة و وجهه مثل القمر الیلة البدر (لئالی الاخبار)

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا اس لئے طلب کرتا ہو کہ ذلت سوال سے اپنی آبرو بچائے، اہل و عیال کا تکفل کرے اور ہمسایہ پر مہربان ہو تو قیامت میں پیش خدا اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا''۔ (الکافی: ج۵،ص۷۹)

کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد جو اس کو طلب آخرت بنا دیتے ہیں

(۶) قال رجل لابی عبد اللّٰه و الله انا لنطلب الدنیا و نحب ان فوجدها فقال تحب ا تصنع بها ماذاقال اعودبها علی نفسی و عیالی و اصل بها واتصدق بها و احج واعتمر فقال ابو عبدا لله لیس هذا الا طلب الآخرة

''ایک شخص امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم طالب دنیا ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو حضرتؑ نے فرمایا: تیرا مقصد کیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے اس نے عرض کی کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ اپنے نفس اور عیال کو اس سے فائدہ پہنچاؤں اپنے اعزہ واقاریب

کے ساتھ صلہ رحمی کیا کروں، راہ خدا میں خیرات دوں اور فریضۂ حج بجالاؤں، حضرتؑ نے فرمایا: یہ باتیں تو (طلب دنیا نہیں) فقط طلب آخرت ہیں"۔

(لئالی الاخبار۔ وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۳۴)

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ آدمی کے قصد و نیت کی اصلاح اس کی دنیا طلبی کو عین طلب آخرت بنا دیتی ہے، ان دونوں میں فرق و امتیاز کا دار و مدار محض قصد و نیت پر ہے، اگر کسب دنیا و جمع مال کا مقصد اپنی ذات کے ساتھ اہل و عیال اور دیگر افراد کو فائدہ پہنچانا اور دوسرے امور خیر انجام دینا ہے تو وہ طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔ اور فاضل علامہ نراقیؒ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ "جو افعال مثلاً کھانا پینا اور ضروریات زندگی میں انہماک بظاہر مفہوم عبادت سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ وہ بھی آدمی کے قصد و نیت کی بنا پر عبادت ہو جاتے ہیں، اور جو شخص مال کو اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ دین کی راہ میں خرچ کرے اور ذاتی مصارف سے فاضل مال اخوان مومنین کو مدد پہنچائے، تو ایسے آدمی کو مال کی کثرت ضرر رساں نہیں۔

زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت

چونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل و احکام قرآن مجید و احادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر کسی دماغ و دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیۃً شریعت اسلام میں ممنوع ہے لہٰذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں، نیز انبیاء و اولیاء اور خاصان خدا کے فرائض ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جداگانہ ہوتے ہیں جن کا اجمالی تذکرہ اسی مضمون میں دوسری جگہ آئے گا جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے ان کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے، اس کی تعریف اور اس کے حدود کے تعیین بھی صاف طور سے کر دی گئی ہے۔

زہد کا حاصل قرآن کے دو کلموں میں ہے

الـزهد بين الكلمتين من القرآن قال الله سبحانه لكيلا تاسوا علىٰ ما فـاتـكم ولا تفرحوا بما اتاكم فمن لم ياس على الماضي ولم يفرح بالاتي فقد اخذ الزهد بطرفيه . (وسائل الشیعہ ج۱۶ص۱۹)

"جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ "حقیقت زہد" قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا ہے لكيلا تاسوا على ما فاتكم، الخ، پس جس آدمی کو گئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شئے کی خوشی نہ ہوگی وہ پورا "زہد" حاصل کرے گا"۔

خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کی مذمت

(۲) يَـاأَيُّهَـا الَّـذِينَ آمَنُوا لاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلاتَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لايُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (سورہ مائدہ:۸۷)

"اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو، خدا حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا"۔

اس آیت کی شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن جناب رسالتمآبؐ نے اپنی مجلس وعظ میں صحابہ کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا تو اس سے کچھ لوگ بہت متاثر ہوئے اور عثمان بن مظعون صحابی کے گھر میں جمع ہو کر اس بات پر اتفاق کر لیا کہ آئندہ سے دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر کریں گے بستروں پر استراحت نہ کریں گے۔ گوشت نہ کھائیں گے بالوں کے موٹے کپڑے پہنیں گے۔ غرض ترک دنیا اور رہبانیت و فقیری کی زندگی اختیار کر کے دنیا میں پھرتے رہیں گے جب ان کے اس طرز عمل کی خبر جناب

رسالتمآب تک پہنچی تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے جب وہ اوران کے رفقاء حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا:

ما بال اقوام حرموا النساء و الطیب و النوم و شهوات الدنیا اما انی لست امرکم ان تکونوا قسیسین و رهبانا انه لیس فی دینی ترک اللحم و النساء ان سیاحة امتی الصوم و رهبانیتها الجهاد الخ (کنزل العرفان، ص۳۷۳)

''آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ انھوں نے عورتوں ۔خوشبو اور نیند اور دنیا کی دوسری مرغوب چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا؟ میں نے تو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ راہب پادری اور تارک الدنیا بن جاؤ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کر دینا نہیں ہے میری امت کی سیاحت (فقیر اور بے خانماں زندگی بسر کرنا) روزے رکھنا ہے اوراس کی رہبانیت جہاد ہے''۔

(۳) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

''اے پیغمبران سے کہو کہ زینت کی وہ چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے کے پاک اشیاء آخر کس نے حرام کی ہیں؟'' (سورۂ اعراف:۳۲)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے خبائث کا حلال قرار دینا جائز نہیں، اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیاء اوراسباب زینت کا حرام کرنا اوران ے رر ب استعمال کا عھد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد نہیں ہوسکتا۔

(۴) حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

الزهد فی الدنیا قصر الامل و شکر کل نعمة و الورع عن محارم الله

(جامع السعادات، ص۲۳۹۔الکافی: ج۵، ص۷۱)

''زہد فی الدنیا'' آرزؤں امیدوں کو گھٹانا ہر نعمت کا شکرادا کرنا خدا کی جانب سے جو

چیزیں حرام کی گئی ہیں ان سے پرہیز کرنا ہے"۔

مال کو ضایع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے

(۵) ان الزهد فی الدنیا لیس با ضاعة المال و لا تحریم الحلال بل الزهد فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدک اوثق منک بما عندا لله

"زہد فی الدنیا" یہ نہیں ہے کہ مال کو ضایع کیا جائے اور حلال کو حرام کر لیا جائے بلکہ معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد و بھروسہ تم کو ان اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں"۔

(جامع السعادات، ص۲۴۰۔تھذیب الاحکام: ج۶ ص۳۲۷)

اگر مقصود رضاء خدا ہو تو انسان دنیا و مافیہا لے کر بھی زاہد ہو سکتا ہے

(۶) جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: **لو ان رجلا اخذ جمیع ما فی الارض و ادادبه وجه الله فهو زاهد ولو ترک الجمیع ولم یرد به وجه الله فلیس بزاهد** (جامع السعادات، ص۲۳۳)

"اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی خوشی و رضامندی ہو تو وہ "زاہد" ہے اور اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے اور رضائے الٰہی اس کی مراد نہ ہو تو وہ "زاہد" نہ ہوگا۔

حرام سے بچنا زہد ہے

کسی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ ''زھد فی الدنیا کیا ہے''؟ تو آپ نے فرمایا: تنکب حرامھا یعنی حرام دنیا سے منہ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے ممدوح یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت وارادہ پر ہے اگر تحصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو وہ قابل مدح اور وسیلہ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب دنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں، ان سے حیوانی جذبات کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قابل مذمت ونفرت ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اسی حقیقت کو نہایت خوبی سے واضح فرمایا ہے:

ظاہر آیات واحادیث سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ مذموم دنیا چند امور سے مرکب ہے:

(اول) یہ کہ وہ خدا کی فرماں برداری ومحبت اور تحصیل آخرت سے مانع ہو جو چیزیں اسباب دنیا میں سے خدا کی رضا مندی اور اس کے تقرب کا باعث ہوں ان کا شمار امور آخرت میں ہے، اگر چہ بظاہر وہ دنیوی اعمال میں سے ہوں جیسے تجارت، صنعت اور زراعت جبکہ ان سے مقصود یہ ہو کہ عیال کے لئے سامان معیشت حاصل کیا جائے کیونکہ خدا نے اس پر مامور فرمایا ہے اور نیک کاموں میں مال خرچ کرنا محتاجوں کی اعانت، غریبوں پر خیرات کرنا، ذلت سوال سے اپنی آبرو بچانا مقصود ہو یا ایسے ہی دوسرے اعلیٰ مقاصد پیش نظر ہوں، ان صورتوں میں یہ تمام کام اعمال آخرت بن جائیں گے اگر چہ عوام خلق ان کو کار دنیا ہی شمار کرتے ہیں۔

(دوم) بدعتی لوگوں کی ایجاد کردہ ریاضتیں اور ریا ونمائش کے اعمال کار دنیا ہی ہوں گے اگر چہ راہبانہ طریقوں پر اور طرح طرح کے مشقوں سے کئے جائیں اس لئے کہ ایسے ریا

کاروں کے نمائش اعمال خدا سے دور کرتے ہیں، موجب قرب خدا نہیں ہو سکتے، اکثر راہبانہ طریقہ پر برے مال سے زندگی بسر کرنے والے انسانی صحبتوں سے الگ تھلگ رہتے اور رات کو خدا کی عبادت کرتے ہیں مگر بڑے دنیا پرست محبت دنیا میں گرفتار ہوا کرتے ہیں، ان کی جو گیانہ زندگی کا مقصد عوام الناس کو فریب دینا اور زہد وورع میں شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، عوام الناس کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنا ان کا دلی مدعا ہوتا ہے، مال وجاہ وعزت اور امور باطلہ کی ہوس ان میں تمام خلق سے بیشتر ہوا کرتی ہے، وہ اپنے ظاہر اور نمائشی ترک دنیا کو دنیا طلبی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اسی ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیلتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ اور محنت ومزدری کرنے والے لوگ جن کو عوام الناس کسی شمار میں نہیں لاتے آخرت کے جویا ہوا کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نیت درست ہوتی ہے، اور دنیا کی محبت نہیں رکھتے

خلاصہ کلام اس بارے میں یہ ہے کہ حسن وقبح اشیاء کے علم کا معیار اور یہ جاننے کا ذریعہ کہ کس کام کا کرنا واجب ہے اور کس کا ترک کرنا ضروری ہے، شریعت مقدسہ ہے۔

(یعنی قرآن واحادیث نبویہ) اور اہلبیتؑ عصمت علیھم السلام کے ارشادات ہیں۔

پس آیات واحادیث سے جس امر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور وہ مطلوب الٰہی ہے تو وہ عبادت ہے عام اس سے کہ وہ نماز روزہ وحج ہو یا تجارت وزراعت و صنعت وحرفت ہو۔ خلق کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرنا یا تنہائی کی زندگی گزارنا یا ان سب کے علاوہ اور کوئی بات (چونکہ یہ سب امور مطلوب خدا ہیں لہٰذا عبادت ہیں) اور خالص نیت کے ساتھ آداب وشرائط کے ماتحت ان کو زیر عمل لانا کار آخرت ہوگا۔ اور جو باتیں خدا کی مطلوب نہیں ہیں اور ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے تو وہ دنیائے مذمومہ ہیں جو خدا اور آخرت سے دور کرتی ہیں، ایسی چیزوں کی کئی قسمیں ہیں:

(اول) حرام، جس پر عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے خواہ وہ اپنی ایجاد کردہ عبادت ہو (جس کو بدعت کہتے ہیں) یا وہ عبادت جس میں ریا کاری اور شہرت طلبی شامل ہو۔ یا ظالموں کے ساتھ معاشرت رکھنا، یا حرام مناصب اور عہدے پر کام کرنا یا مال کو حرام ذریعہ سے یا حرام کی غرض سے حاصل کرنا اور ایسے ہی دیگر امور جو باعث استحقاق عقاب خداوندی ہوں۔

(دوم) مکروہ۔ اور وہ ایسے افعال واعمال اور اس طرح کے وسائل کسب معاش ہیں جو وسیلۂ تحصیل آخرت نہ ہوں اور آخری سعادتوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوں، مثلاً ضرورت سے زائد مال و متاع۔ زائد از حاجت مسکن اور سواریاں اور اسی قسم کی چیزیں (غیر ضروری آثاث البیت وغیرہ)

(سوم) مباح، مثلاً ایسے اعمال جن کا صاحب شرع نے حکم نہ دیا ہو نہ ان سے منع فرمایا ہو بشرطیکہ تحصیل آخرت سے مانع نہ ہوتے ہوں اور اکثر مباح امور کو ایسے طریقے اور نیت ے واقع کرنا ممکن ہے جس سے وہ عبادت میں داخل ہو جائیں مثلاً کھانا، سونا اس ارادہ سے کہ عبادت لرے ذ، قوت حاصل ہو، اور مباحات کو اس خیال سے ترک کرنا کہ (یہ ترک مباحات) عبادت ہے بدعت ہو جاتا ہے اور جہنم میں داخلہ کا باعث ہوتا ہے، بہت سے بدعتی لوگ ایسا ہی کیا لرتے ہیں۔

انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدا مسئول ہوگا

ان تمام شواہد سے ظاہر ہوا کہ اسلام ایک ایسا مذہبی نظام ہے جو انسان کی دنیا و آخرت اور جسمانی و روحانی دونوں حصوں کو ایک سلسلہ میں مرتبط اور باہم وابستہ کر دینا چاہتا ہے، روحانی جذبات اور اخلاقی احساسات کو ابھارنا اس کے معاشی نظریات کی بنیاد ہے اس اصول کے ماتحت لازم تھا

کہ انسان کو اس بات کا مسئول اور جوابدہ قرار دیا جائے کہ اس نے کس طریقے سے مال کی تحصیل کی اور اسے کس مصرف میں صرف کیا؟

حدیث نبویؐ ہے کہ: **لا تزول قدم عبد یوم القیامة حتی یسئل عن اربع** عن جسدہ فیما ابلاہ عن عمرہ فیما افناہ **عن مالہ مما اکتسبہ و فیما انفقتہ** وعن حبنا اھل البیتؑ (ینابیع المودۃ۔اعلام الدین:ص۲۱۵)

''جب تک بروز قیامت چار باتوں کی بابت سوال نہ کرلیا جائے گا کسی قدم کو ہٹنے نہ دیا جائے گا: اس کے جسم سے متعلق کہ اس نے کیسے استعمال کیا اس کی زندگی کے بارہ میں کہ کیسے گذاری مال کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہماری محبت ہے کہ نہیں''۔

نیز یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہے کہ دنیا کی پیداوار میں کون سی چیزیں انسان کے لئے مناسب و نافع اور کونسی غیر مناسب اور باعث ضرر ہیں؟ کن اشیاء اور کن طریقوں سے انسان کے جذبہ خدا پرستی اور احساسات اخلاقی کو قوت حاصل ہوتی ہے اور کن سے ان میں کمزوری و اضمحلال پیدا ہوتا ہے؟۔ایک طرف وہ کسب مال و سرمایہ کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔دوسری طرف کسب مال کے طریقے معین کرتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے جن کے اندر مندرجہ بالا مقصد کا حاصل ہونا منحصر ہے۔ نیز قابل استعمال اور قابل پرہیز اشیاء کو بیان کرتا ہے۔تیسری جانب مدات خرچ کی تشریح کرتا ہے اور وہ حدود انفاق بتاتا ہے۔ جو عقلا و فطرتا ضروری و اعلیٰ مقصد زندگی کے مطابق ہیں۔ان امور کے متعلق اسلامی تعلیمات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جن کا اس مختصر مضمون میں جمع کر دینا دشوار ہے، لہٰذا صرف چند شواہد پر اکتفا کرنا ناگزیر ہے۔

اسلام نظام معیشت کا دو جملوں میں خلاصہ:
پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو

اسلام نے عالم انسانیت کو جو وسیع نظام بتایا ہے ان کا خلاصہ صرف دو جملوں میں کر دیا ہے۔

(۱) كُلُوا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

''پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے اچھے کام کرو، تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔(سورۂ مومنون:۵۱)

اس آیت میں خدا کا وہ پسندیدہ نظام معیشت بتایا گیا ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے دنیا میں بھیجا جاتا رہا ہے اور وہ دو اصول میں منحصر ہے۔''پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو''۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ شریعت الٰہیہ کا مقصد مادیت و روحانیت کے امتزاج کو حد اعتدال پر رکھنا اور ہر ایک کے جائز و مناسب تقاضا کو پورا کرنا ہے۔ انسان کے ایسے مجموعۂ روحانیت و جسمانیت کے لئے اس سے بہتر و مناسب فطرت کوئی اور اصل معیشت نہیں ہوسکتا دنیوی نعمتوں سے لذت یابی و مسرت اندوزی کے ساتھ پرامن اور سکون واطمینان کی زندگی صرف اسی اصول پر عمل کرنے سے مل سکتی ہے۔

ممکن ہے کہ جو نظام معیشت ''ہر چیز کھاؤ'' ''ہر طرح کماؤ'' ''جو چاہو کرو'' کے اصول پر مرتب کیا گیا ہو اس میں وقتی منافع زیادہ نظر آتے ہوں مگر ان کی تہہ میں نوع انسانی کی تباہی و ہلاکت پوشیدہ ہوگی کیونکہ اس میں ایسی چیزوں کے استعمال کی آزادی ہوگی جو امراض جسمانی کا مبداء بنتی ہیں یا حیوانی قوتوں کو ابھار کر اعتدال طبعی کے حدود سے خارج کرتی اور امراض بدنی و اخلاقی و روحانی کا باعث ہوتی ہیں۔ نیز اس میں غرور، خودنمائی، بے جا تعیش، فضول، عشرت

پسندی، نخوت، کبروغرور کے مواد کو برانگیختہ ہونے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ ہوگی مساوات اور ہمدردی اور باہمی مواساۃ کے رشتوں اور مذموم سرمایہ داری کی حرص ہوس کو قوی کرنے والے اسباب موجود ہوں گے، ایسی صورتوں میں زندگی کے پرامن وسکون ہونے کی توقع محض خیال ہوگی، ایسے نظامات سے ممکن ہے کہ وقتی منفعت حاصل ہومگر عام انسانی دنیا کا فلاکت ومسکنت کے قعر ہلاکت میں پڑ جانا ان کا یقینی انجام ہے، ایسے ہی اصول ونظریات معاشی کی بدولت ہمارے سامنے عالم انسانیت کو ایٹم بم کے خطرات درپیش ہیں اور آئندہ خدا جانے کتنے تباہ کن اسباب کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حدیث نبویؐ میں ہے:

قال الله عز و جل من لم يبال من اى باب اكتسب الدينار والدر... لم ابال من اى ابواب النار ادخلته (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۲)

''ارشاد خداوندی ہے کہ جو آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دینار ودرہم کس دروازے سے کماتا ہے تو میں بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کو کن دروازوں سے داخل جہنم کرتا ہوں''۔

کیا ان مشاہدات وتجربات کے بعد بھی اس بات میں شبہہ باقی رہ سکتا ہے کہ نخل انسانیت کے پھولنے پھلنے کے لئے صرف چمن اسلام ہی کی معتدل آب وہوا سازگار ہوسکتی ہے؟

(۲) أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ (سورۂ ملک: ۲۱)

اگر خدا اپنے فیض رزق کو بند کردے تو ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے گا۔

(۳) وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا (سورۂ ہود: ٦)

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو ۔

(۴) إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورۂ ذاریات: ۵۸)

"خدا بڑا روزی رساں صاحب قوت اور زبردست ہے۔

(۵) فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ

(سورۂ جمعہ:۱۰)

"جب نماز ہو چکے تو زمین میں ادھر ادھر جہاں چاہو جاؤ اور خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو۔

(۶)...اِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سورۂ عنکبوت:۱۷)

"خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق پر کوئی اختیار نہیں رکھتیں، لہٰذا اللہ ہی سے روزی مانگو اور اسی کی عبودیت اختیار کرو اس کا شکر بجالاؤ اسی کی طرف بالآخر تم کو لوٹنا ہے"۔

ان آیات میں چند باتیں بتائی گئی ہیں:۔

(اول) رزق و معیشت و اسباب معیشت خدا کا عطیہ اور فضل و بخشش ہے بلکہ ہر جاندار کی پیدائش کے ساتھ خدا نے اس کے رزق کا سامان بھی پیدا کیا ہے لہٰذا اس کو خدا کی دین سمجھنا چاہیے نہ کہ صرف اپنے علم و تدبیر کا ثمرہ و حاصل، یہ خیال ملحدانہ ہے اور بخل و حرص سرمایہ داری کی بنیاد یہی خیال ہے، اسی کی بنا پر دنیوی اسباب معیشت میں خدا کے حقوق مالکانہ کے انکار کی جرئت ہوتی ہے، عہد جناب موسیٰ کا مشہور عالم سرمایہ دار قارون اپنے مال میں سے حقوق خدا ادا کرنے سے اسی لئے منکر ہوا تھا کہ وہ اس کو اپنا مال اور اپنی علمی تدابیر کا حاصل تصور کرتا تھا، جیسا کہ خود قرآن مجید اس کی حکایت کرتا ہے:"۔قال انما اوتیتہ علیٰ علم عندی "اس نے کہا کہ یہ مال و متاع تو صرف اس علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو میرے پاس ہے"۔

(دوم) اگرچہ روزی رساں خدا ہے، ہمارے رزق کا وہ ذمہ دار ہے اسباب معیشت کے ذخیرہ اس نے ہمارے لئے جمع کر لئے ہیں مگر تلاش و جستجو، سعی و محنت بھی شرط ہے، تقدیر کے بھروسہ

پر تدبیر سے دست کش نہ ہونا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے رزق کا ہم تک پہونچنا ہماری سعی و جستجو ہی کے ذریعہ سے مقدر ہو اور فضل خدا کا ملنا ہماری محنت اور طلب پر موقوف رکھا گیا ہو۔

زمین اوراس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے

(سوم) اسباب رزق عطیۂ ربانی وفضل خداوندی ہیں اور بنی آدم خدا کی مخلوق اور بندے ہیں، عبودیت ومخلوقیت کے لحاظ سے سب برابر ہیں، لہٰذا اسباب معیشت میں بھی سب کا حق برابر ہے، اس مطلب کی دوسری آیتوں میں پوری تصریح کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں۔

(پہلی آیت): وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ (سورہ فصلت:۱۰)

خدا ہی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ قائم کر دیئے اور اسی نے اس میں برکت عطا کی اور اسی نے مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست فرمایا یہ سب چار اوقات (چار فصلوں) میں کیا (وہ بندوبست سامان معیشت) تمام طلبگاروں کے لئے برابر ہے۔

تفسیر قمی میں مذکور ہے کہ ’’اربعۃ ایام‘‘ سے مراد چار اوقات اور فصول یعنی جاڑا، گرمی، بہار وخزاں ہیں، تمام اسباب معیشت انسان وحیوان کی پیداوار انھیں فصول واوقات میں ہوتی ہے اور اس کے تغیرات وانقلابات کو ان اسباب کی پیدائش میں پورا دخل ہے۔

اور ’’لِلسَّائِلِين‘‘ سے مراد تمام خلق اللہ ہے جو رزق کی محتاج ہے اور کم سے کم بزبان حال اپنی روزی کی طلبگار ہے لہٰذا سامان معیشت میں تمام خلائق کا حق برابر ہے کسی کو دوسرے پر حق فطری کے اعتبار سے ترجیح وفضیلت نہیں۔

(دوسری آیت): وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ

فُضِّلُوا بِرَادِّی رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللهِ يَجْحَدُونَ (سورۂ نحل:۷۱)

خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (مال و دولت) میں فضیلت و زیادتی عطا کی ہے پھر (کیا) وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پر ان کا دسترس ہے دینے والے نہیں (حالانکہ) اس میں تو سب کے سب برابر ہیں؟ تو کیا یہ لوگ نعمت خدا کے منکر ہیں۔؟

قدرت الٰہیہ براہ راست کسی انسان کے پاس خوان نعمت و سامان رزق نہیں بھیجتی بلکہ طبعی طور پر ایک کو دوسرے سے رشتۂ احتیاج و ضرورت میں وابستہ کر دیا ہے، اور ایک شخص کی روزی کو دوسرے کے ذریعہ مقدر فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ خدا کو یہی بات پسند ہے کہ ایک فرد انسان کا وسیلۂ رزق دوسرے فرد انسان کو بنائے اور اس مصلحت سے نظام اجتماعی کے اندر زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور راہبوں اور جوگیوں کی طرح پہاڑوں جنگلوں میں تمدن سے الگ تھلگ زندگی گذارنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اسلامی طریقے کے خلاف ٹھہرایا ہے۔

اس قسم کے فطری نظام معیشت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے لئے بظاہر وسیلۂ معاش ہوتے ہیں، وہ اپنے کو ان کا رازق تصور کرنے لگتے ہیں اور ان کو اپنے سے پست درجہ خیال کرتے ہیں، اس آیت میں اس فاسد خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے روکا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم اپنے کو ان کا رازق نہ جانو، نیز یہ بتایا گیا ہے کہ تماری فضیلت زیردستوں پر بس اس قدر ہے کہ تم کو اپنی شان رزاقیت کا ذریعہ قرار دیا ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اور تمہارے ہی بھائی ہیں، لہٰذا تمہیں ان سب کو اسباب معیشت میں برابر رکھنا چاہیے۔

زبدۃ البیان اردبیلیؒ میں ہے: ای کان ینبغی ان یردوا مما رزقوا علی

ممالیکھم حتی یتساودا فی الملبس و المطعم کما یحکی عن ابی ذرؓ انه سمع رسول اللہؐ یقول: (انما ھم اخوانکم فاکسوھم مما تلبسون و اطعموھم مما تطعمون فما رؤی عبده بعد ذالک الا و ردائه ردائه و ازاره ازاره غیر تفاوت) افبنعمة اللہ یجحدون فجعل عدم التسویة بینھم و بین عبیدھم من جملة جحود النعمة علی سبیل المبالغة ففیھا دلالة علی استحباب التوبة بین نفسه و مما لیکه و یدل علیه ایضا الاخبار مثل ما تقدم و یدل علی ابلغ ذالک ما روی عن امیرالمومنینؑ انه کان یشتری ثوبین یعطی افضلھما القنبر ویا خذ الاردی لنفسه.

یعنی انھیں یہ چاہیے تھا کہ اپنے مال و دولت میں سے اپنے زیر دستوں کو دیتے تا کہ لباس و خوراک میں آقا و غلام سب کے سب برابر ہو جاتے، ابوذرؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب ان بزرگ نے حضرت رسالتمآب کو یہ فرماتے سنا کہ تمارے غلام تمہارے بھائی ہیں ان کو وہی کپڑا پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور وہی غذا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو تو اس دن سے ان کے اور ان کے غلام کے لباس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں دیکھا گیا، قول الٰہی: "افبنعمة اللہ یجحدون" یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے مالداروں کی طرف سے زیر دستوں کو برابر حصہ نہ دئے جانے کو کفران نعمت قرار دیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ اس امر کی کہ اپنی ذات اور غلاموں کے درمیان برابری قرار دینا مستحب ہے اور اس پر حدیث بھی دلالت کرتی ہیں ان میں سے وہ حدیث بھی ہے جو پہلے گذری اور اس سے زیادہ بہتر سلوک پر یہ رویت دلالت کرتی ہے کہ جناب امیر دو لباس خریدتے تھے اور جو بہتر ہوتا تھا وہ قنبر کو مرحمت کرتے تھے اور جو ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا وہ اپنے لئے رکھ لیتے تھے۔"

(تیسری آیت): هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِىْ الْاَرْضِ جَمِيْعًا

''زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے''۔(سورۂ بقرہ آیہ:۲۹)

وہ پیداوار زمین مباح الاصل ہے جو ذریعہ معاش انسان بن سکتی ہے

جیسا کہ محقق اردبیلیؒ نے ارشاد فرمایا ان آیات سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ زمین کی وہ چیزیں جو انسان کا رزق اور ذریعہ معاش بن سکتی ہیں اور ان کی تحصیل کے طریقے مباح الاصل ہیں، ہر انسان کو ان کی استعمال کا حق ہے، سوا ان چیزوں اور طریقوں کے جن کو عقلی و نقلی دلیلیں حکم اباحت سے خارج کرتی ہیں اور ایسی چیزیں اور ایسے طریقے جن کو عقل و نقل دونوں قابل استعمال قرار نہیں دیتیں بہ نسبت مباح و قابل استعمال اشیاء اور طریقوں کے بہت کم ہیں اس لئے انسان کی معیشت دنیوی بغیر کسی تنگی کے سدھر سکتی ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے: **ان الذی امرتم به اوسع من الذی نهیتم عنه وما احل لکم اکثر مما حرم علیکم فذروا ما قل لما کثر.**

''جس نے تمھیں احکام بجالانے کا حکم دیا ہے ان چیزوں سے زیادہ ہیں جن کو منع کیا گیا ہے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں وہ ان چیزوں سے بہت زیادہ ہیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں لہٰذا اکثر کے واسطے قلیل یعنی حرام کو ترک کردو''۔

(۹) يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِى الْأَرْضِ حَلاَلًا طَيِّبًا وَلاَتَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (سورۂ بقرہ:۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے''۔

(۱۰) کُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَاتَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي... (سورۂ طہ:۸۱)

''ہم نے جو پاک سامان رزق تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا''۔

چونکہ معیشتِ دنیوی کی سب سے اہم شرط انسان کے لئے غذا ہے اس لئے اکثر آیات میں ''اکل'' یعنی کھانے کا تذکرہ ہے مگر اس سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ ہر قسم کا انتفاع اور عام تصرف ہے اور مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ان چیزوں میں جو انسان کے لئے اسباب معیشت بن سکتی ہیں پاکیزہ اور حلال کا انتخاب کرنا چاہیے انتفاع اور تصرف کے لئے پاکیزہ وحلال اشیاء اور پاک حلال طریقے اختیار کرنا انسانی فریضہ ہے۔ ان آیات سے چند نتائج ظاہر ہوتے ہیں:

(اول): زمین کی پیداوار اور اس کے انتفاع کے طریقوں کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں:

(ا) وہ چیزیں اور انتفاع کے وہ طریقے جو انسان کے مناسب فطرت وموافق طبع ہوں ان سے نہ جسمانی مضرت کا خطرہ ہو نہ اخلاقی وروحانی عنصر کو فساد کا اندیشہ:۔

(دوم): وہ اشیاء اور وہ طریق اکتساب وانتفاع جو مذکورۂ بالا اوصاف کے خلاف ہوں

قسم اول کے اشیاء اور اکتساب کے طریقے ''حلال و طیب'' کہے گئے ہیں اور قسم دوم کے اشیاء اور طریق اکتساب وانتفاع کو خبیث وحرام قرار دیا ہے اور ان کے استعمال کو اتباع شیطانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ آیۂ مبارکہ ''حلالا'' کے بعد ''طیبا'' کی تکرار یہ بتانے کے لئے ہے کہ ان اشیاء اور طریقوں کے حلال قرار دئے جانے کی علت ان کا ''طیب'' یعنی موافق فطرت ومناسب طبع انسانی ہوتا ہے اور جو اشیاء اور طریقے ''حرام'' کئے گئے ہیں ان کی وجہ تحریم یہی ہے کہ ان کے صفات، اوصاف مذکورہ کے خلاف ہیں۔

حلال وحرام کا کلی اصول: وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں جن سے بدن وروح میں فساد پیدا ہوتا ہے

ایک حدیث میں حلال وحرام کے معیار کو اصول کلی کے طور پر بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے:

كل امر يكون فيه الفساد مما قد نهى عنه من جهة اكله و شربه و لبسه و نكاحه لوجه الفساد مثل الميتة والدم و لحم الخنزيرو الزنا و جميع الفواحش و لحوم السباع والخمر وما اشبه ذالک فحرام ضار للجسم و فساد للنفس۔ (بحار الانوار، ج ۳۳، باب المکاسب)

ہر وہ امر جس میں کوئی وجہ فساد وخرابی کی ہے اس کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے اس لئے کہ اس کے کھانے پینے پہننے اور اس سے ازدواجی تعلقات پیدا کرنے میں وجہ فساد موجود ہے مثلاً مردار، خون، سور کا گوشت، زنا، اور تمام بدکاریاں، درندوں کے گوشت، شراب اور اسی قسم کی دوسری اشیاء تو وہ حرام ہیں اس لئے کہ وہ جسم کے واسطے باعث ضرر اور روح میں فساد پیدا کرنے والی ہیں۔ (اور جو چیزیں ایسی نہیں ہیں وہ حلال ہیں۔)

لفظ ''طیب'' کے معنی

جناب شیخ مقدادؒ کنز العرفان میں لفظ ''طیب'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''و الطیب'' یقال لمعان، الاول ما هو مستلذ والثانی: ما حلله الشارع، الثالث: ما کان طاهراً، الرابع: ما خلا عن الاذی فی النفس والبدن .

''لفظ طیب'' کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے (اول) وہ چیز جو لذیز ہو (دوم) وہ چیز جس کو شارع نے حلال قرار دیا ہے (سوم) وہ چیز جو پاک ہے (چہارم) وہ چیز جو روح و بدن

میں بیماری واذیت پیدا نہیں کرتی۔" (کنز العرفان ص ۳۶۱)

حدیث بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع کی طرف سے حلال وطاہر قرار دیئے جانے کی وجہ وہی بات ہے جو شیخ مقدادؒ نے آخر میں کہی ہے اور آپ کے بیان کئے ہوئے چاروں معنی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظ "طیب" ان سب کو شامل ہے۔

اسلام کے نزدیک معاشیات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشیات

(سوم): پاکیزہ چیزوں کو کھانے کا حکم دیتے ہوئے یہ فرمان نافذ کرنا کہ "لا تطغوا فیہ" (یعنی طغیان نہ کرو وحدود مقررہ سے آگے نہ بڑھو) اس حقیقت کی پوری توضیح کے لئے کافی ہے کہ اسلام معاشیات کو تابع اخلاق بنانا چاہتا ہے، اخلاق کو تابع معاشیات بنانا اس کے نقطۂ نظر کے خلاف ہے، اور یہی اصول یعنی معاشیات کو تابع اخلاق بنانا اس کے نظام معاشی کا بنیادی اصول ہے۔

ارشاد ربانی "لا تطغوا فیہ" کا حاصل یہ ہے کہ کسب معاش وطلب رزق کے وہ طریقے انسان کے لئے حرام قرار دئے گئے ہیں جن سے طغیان لازم آتا ہے دوسرے مقام پر فرمایا ہے"

ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ "یعنی انسان جبکہ اپنے کو غنی وسرمایہ دار پاتا ہے تو طغیان وسرکشی کی طرف مائل ہوجاتا ہے یہ "طغیان" کسب دولت ومال میں بھی ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد بھی خدا کے مقرر کردہ حدود شرعیہ سے باہر نکل کر کسب معاش کرنا "طغیان" ہے اسی طرح خدا کو بھول جانا اس کے حدود شرعیہ کی مخالفت کرنا حقوق مستحقین کو روکنا، کم مایہ اور غریب لوگوں پر تکبر وفخر کرنا ان کے مقابلہ میں شان جباری دکھانا طغیان ہے۔

معاشی معاملات میں باہم تعاون و اشتراک عمل نہ کرنا نظام تمدن میں ابتری

پھیلانے والے طریقے اختیار کرنا۔ اپنے مالی فائدہ کے لئے دوسروں کونقصان پہنچانا، اپنے ذرائع کسب مال و دولت کو وسیع کرنے میں دیگرافراد کے لئے معاشی تنگی کے اسباب پیدا کرنا، مفلس کے افلاس و ناداری اوراس کی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھانا اورمحتاج وضرورت مندوں کی احتیاج وضرورت سے غنیمت موقع پاکرایسے شرائط منظور کرانا جوسرمایہ داری میں اضافہ کے ساتھ مفلس کی افلاس و ناداری کو بڑھاتے ہیں اورمحتاج کومحتاج تر کرتے ہوں ''طغیان'' ہیں محتاجوں کے حق کوروکنا تکبروفخر کرنا شان وجبروت دکھانا، سرکشی وفسادانگیزی کرنا غرض تمام وہ طریقے اور خصلتیں ''طغیان'' ہیں جس سے اخلاق کے فطری سرمایہ کی بربادی اور روحانیت کا فساد لازم آتا ہے، انفرادی منفعت کے لئے یا جتماعی مفاد کے نظام کی خرابی ان کا انجام ہو اسی طرح خدا کی عطیات ونعمات میں مناسب فطری تصرف سے روکنا قدرتی اشیاء کے سوانق طبع استعمال کی ممانعت کرنا، معاشی میدان عمل کو تنگ کرنا ایسے قیود لگانا جن سے فطرت لی دی ہوئی جسمانی و دماغی صلاحیتوں سے کام لینے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے یا اپنی محنت وسعی عمل کے ثمرات سے منتفع ہونے کا حق سلب ہوتا ہو''طغیان'' ہے مختصر یہ کہ عقل وشرع وفطرت کی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھ جانا ''طغیان'' ہے خواہ یہ آگے بڑھ جانا کسی جانب ہو آیہ مبارکہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے ''طغیان'' کا انجام غضب خدا کا نزول اورسراسر تباہی و ہلاکت ہے جس نظام معیشت کی بنیاد ''طغیان'' پر ہوگی وہ غضب الٰہی کو دعوت دے گا، اگرغور وفکر سے کام لیا جائے تو یہی ایک آیت یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ اصول معیشت کو برداشت نہیں کرتا ساتھ ہی اس کے ان تمام نظامات کا بھی مخالف ہے جن میں انسان کے فطری حقوق کے متعلق بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔

کسب معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں

شرع اسلام نے طلب معاش اور اس کے وسائل کی تلاش کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے، مفسر علامہ مقدادؒ نے مختصر و جامع الفاظ میں ان سب کا بیان کر دیا ہے:

ثم الطلب للرزق ينقسم بانقسام الاحكام الخمسة واجب هو ما اضطر الانسان اليه ولا جهة له غيره وندب وهو ما قصدبه فى المال لتوسعة على العيال و اعطاء الحى و يجمع و الافضال على الغير و مباح و هو ما قصد به جمع المال الخالى عن جهة منهى عنها و مكروه و هو ما اشتمل على ما ينبغى التنزه عنه حرام وهو ما اشتمل على جهة قبح (کنزالعرفان)

''طلب رزق کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) واجب، طلب رزق پر مجبور و مضطرب ہو، اس کے علاوہ کوئی اور صورت اس کے لئے نہ ہو

(۲) ندب (یعنی مستحب) جبکہ مقصود مال میں وسعت پیدا کرنے سے یہ ہو کہ عیال کے لئے معاشی وسعت پیدا ہو محتاجوں کو دے اور غیروں پر تفضّل کرے۔

(۳) مباح، جس سے مقصود مال جمع کرنا ہو ایسے طریقے سے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو

(۴) مکروہ، جو ایسے ناپسندیدہ طریقوں سے ہو جس سے پاک و صاف رہنا ہی مناسب ہے۔

(۵) حرام، کسی برے پہلو پر مشتمل ہو۔''

(۱۱) لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورۂ مائدہ:۹۳)

''جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انھوں نے جو کچھ کھایا (پیا) اس میں کچھ گناہ نہیں جبکہ انھوں نے پرہیز گاری کی اور ایمان لے آئے، اور اچھے اچھے کام کئے پھر پرہیز گاری کی اور ایمان لائے پھر پرہیز گاری کی اور نیکیاں کیں اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان رکھتا ہوا چھے کام کرتا اور محرمات سے بچتا ہو تو پھر دنیا کی نعمات الٰہیہ سے منتفع ہونے میں اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

تذکرۂ ایمان وتقویٰ وصلاح کار میں تکرار کی مصلحت

تذکرہ ایمان وتقویٰ صلاح عمل واحسان کی تکرار انسانی حالات ومعاملات کی جانب ناظر ہے۔

آدمی کا معاملہ اپنے نفس سے ہے خدا سے ہے اور بندگان خدا سے بھی ۔ اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمات دنیا سے انتفاع میں ہر آدمی کو ان تینوں حالات ومعاملات کا لحاظ لرنا ضروری ہے، اس بات کو مندرجہ ذیل آیتوں میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے:

(پہلی آیت) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَتُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلاَأَوْلاَدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ . وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلاَأَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ (منافقون:۹و۱۰)

''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یاد خدا سے غافل نہ کردیں اور

جولوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہیں گے اور ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے اس میں سے (دوسرے حاجتمند لوگوں پر) خرچ کرو۔اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور اور وہ یہ کہنے لگے کہ پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ میں خیرات کرتا اور اچھے کام کرنے والوں میں داخل ہو جاتا''۔

(دوسری آیت): رِجَالٌ لاتُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (نور:۳۷)

''ایسے لوگ جن کو یاد خدا کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو تجارت روک سکتی ہے اور نہ کاروبار خرید وفروخت، وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں (خوف سے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ''حلال طریقوں سے معاش کی طلب عمل آخرت سے نہیں روکتی۔

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو

(۱۲)يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاتَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلاتَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا . (سورۂ نساء:۲۹)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ،لیکن آپس کی رضا مندی سے تجارتی کاروبار ہونا چاہیے تم خود اپنی جان نہ دو، بے شک خدا تمہارے حال پر مہربان ہے۔''

جبکہ خداوند عالم نے دنیوی معیشت کے لئے بنیادی اصول یہ قرار دیا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ انسان ہی کے لئے ہے،اور پیداوار زمین سب کے لئے عام اور مباح الاصل ہے ہر فرد کو اس سے نفع حاصل کرنے کا یکساں حق حاصل ہے تو فطرت انسانی کے حیوانی حصے کا یہ

تقاضا ہونے لگا کہ زمین کے منافع کو جس قدر اور جس طرح ہو سکے اپنے لئے سمیٹ لیا جائے، اور اس صورت میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت ومناقشت ناگزیر تھی۔لہٰذا ضرورت ہوئی کہ اکتساب وانتفاع کے طریقوں کو اخلاقی بنیادوں پر محدود کیا جائے اور اس آیت کا مفاد یہی ہے کہ تحصیل معاش کے جائز طریقے بتائے جائیں اور ناجائز طریقوں کو بند کر دیا جائے۔

لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل:. ارشاد خداوندی ہے "لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" اسلامی نظام معیشت کا نہایت جامع اور وسیع بنیادی اصول ہے .

انسان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسب معاش وتحصیل مال میں اس کی جدوجہد کا جائز طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی اس پیداوار میں جو تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے کسی کی مملوک خاص نہیں۔خودغرضی اور زبردستی کا دخل نہ ہونے پائے طرق اکتساب معیشت باہمی معاملات و معاوضہ کی شکل اختیار کریں جن کی بنیاد آپس کی رضامندی اور اشتراک عمل پر ہو۔تصرفات کی اوراس آیت کے جذبۂ تعاون وتراض پر قائم کی جائے۔معاملات کے لئے ایسا صحیح طریق کار اختیار کیا جائے جس سے ایک فرد کا نفع دوسرے کی حق تلفی اور مضرت کا باعث نہ ہو جائے۔ایک شخص کی خیر دوسرے کے لئے شر نہ بن جائے لہٰذا جو چیز ناحق لی گئی ہو صحیح طریق کار سے حاصل نہ کی گئی ہو، بلکہ سود ورشوت قمار، غصب خیانت چوری اور ایسے ہی باطل وناپاک طریقوں سے حاصل کی گئی ہو اس سے انتفاع حرام ہے۔

"اکل بالباطل" کے کلیہ میں وہ تمام طریقے داخل ہیں جن کی اجازت شریعت سے حاصل نہیں ہے اور نظام عالم انسانیت کے لئے باعث فساد وضرر ہیں۔

"اکل بالباطل" کو ممنوع قرار دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ "لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما" یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل یعنی ناجائز اور

غیر اخلاقی طریقوں سے کھانا خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا انجام انسانیت و عالم انسانیت کی تباہی وخرابی ہے چونکہ خدا رحیم ہے اس کو تمہاری تباہی و ہلاکت گوارہ نہیں، اس لئے تمہیں ان طریقوں سے روکتا ہے۔

معاشی جدو جہد میں جو اہتمام منظور نظر شریعت اسلام ہے وہ ان احکام وہدایات سے ظاہر ہے جن کی کثرت حصر وشمار سے کم از کم اس مختصر مضمون میں مانع ہے۔ نفع عالم کے خیال سے صرف چند احکام وہدایات کو یہاں پیش کرتا۔

معاشی جدو جہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں طلب معاش فریضہ ہے اور بہترین عبادت

(۱) ''انہ ھو اغنیٰ و اقنی'' (النجم: ۴۸) جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس قول الٰہی کی تفسیر میں فرمایا: اغنی کل انسان بمعیشة و ارضاه بکسب یده. ہر انسان کو اس کی معیشت کا سامان عطا کر کے غنی کیا اور اس کے ہاتھوں کی محنت اور کمائی کے ذریعہ سے اس کو رضا مند فرمایا۔'' (مستدرک الوسائل: ج ۳ ۱۱۳ ص ۲۳)

(۲) قال صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم: طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (بحار) ''طلب حلال فریضہ ہے بعد فرائض (نماز روزہ وغیرہ) کے۔''

(بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۱۸)

(۳) قال رسول اللهؐ: العبادة سبعون جزء افضلها طلب الحلال ''عبادت کے ستر (۷۰) جز ہیں ان میں سب سے افضل طلب حلال ہے۔''

(تھذیب الاحکام: ج ۱۶، ص ۳۲۵)

عیال کے لئے روزی کمانے میں محنت کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا ہمسر ہے

(۴)قال رسول اللہ ؐالکاد علی عیاله کالمجاهد فی سبیل الله.
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عیال کے لئے مشقت سے روزی کمانے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے۔'' (الکافی: ج۵،ص۸۹)

(۵)اصلاح المال من الایمان و قال علیک بصلاح المال فان فیه منهة للکریم و استغناء عن اللئیم، اصلاح مال خاصہ ایمان ہے تم کو لازم ہے کہ تم مالی حالت درست رکھو کیونکہ یہ بات صاحب کرم کے لئے باعث رفعت قدر ہے اور لئیم (ذلیل و دنی الطبع) انسانوں سے بے نیاز کرتی ہے۔'' (الکافی: ج۵،ص۸۹)

(۶) علی العاقل ان یکون طالبا لثلاث حرمة لمعاش او تزود لمعاد او تلذذ فی غیر محرم ،صاحب عقل کا فرض ہے کہ تین باتوں کا خواستگار ہو(۱) اپنی معاش کی درستی (۲) توشۂ آخرت مہیا کرنا (۳) اور جائز و حلال لذتوں سے محظوظ ہونا۔''
(وسائل الشیعہ ج۱۱ ص۳۴۱)

ممدوح سرمایہ داری، حلال طریقے سے اغراض صحیحہ کے لئے مال جمع کرنا چاہیے

(۷) لا خیر فیمن لایحب جمع المال من حلال یکف به وجهه و یقضی به دینه و یصل به رحمه۔ (وسائل الشیعہ ج۱۲ ص۱۹)
اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں جو بطریقہ حلال مال جمع نہیں کرتا تا کہ اپنی آبرو محفوظ رکھے اور قرض ادا کرے۔''

صلہ رحمی اور سخاوت کا دگنا اجر

(۸) الغنیٰ اذا کان وصولا رحمه بار باخوانه اضعف الله له الا جر ضعفین لان الله یقول وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ الا من اٰمن و عمل صالحا فاو لئک لهم جزاء الضعف بما عملوا و هم فی الغرفات اٰمنو ن ((وسائل الشیعہ ج۴ ص ۴۷۷))

''سرمایہ دار جبکہ صلہ رحمی کرنے والا ہو اور بھائیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرتا ہو تو خدا اس کے اجر کو دگنا کردے گا اور اس کا ثبوت خدا کا یہ فرمان ہے'' وما اموالکم ولا اولادکم الخ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کا مقرب نہیں بنا سکتے مگر (مقرب خدا وہ ہے) جس نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے۔ ایسے لوگوں کو خدا کی طرف سے دوہری جزا ان کی کار گذاریوں کی ملے گی اور وہ لوگ (بہشت کے) جھروکوں میں امن وچین سے رہیں گے۔''

طلب دنیا کے اعلیٰ مقاصد دوسروں سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا

(۹) من طلب الدنیا استغناء عن الناس و تعطفا علی الجار لقی الله وجهه کالقمر (الکافی: ج۵، ص۷۹)

''جو شخص اس غرض سے دنیا حاصل کرتا ہے کہ دوسروں سے بے نیاز رہے اور ہمسایہ پر مہربانی کرکے وہ خدا کے سامنے بروز قیامت حاضر ہوگا، درآنحالیکہ اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہوگا۔''

اپنے دست و بازو کی محنت سے کما کر کھانے والا، ثواب انبیاء حاصل کرے گا۔ خدا اس پر نظر رحمت کرے گا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا

(۱۰) من اکل من کدیده کان یوم القیامة فی عداد الانبیاء و یأخذ ثواب الانبیاء (جامع الاخبار)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہوا مال کھائے گا قیامت میں وہ پیغمبروں کے درجہ میں ہوگا۔ اور پیغمبروں کا ثواب پائے گا''.

(۱۱) من اکل کدیده نظر الله الیه بالرحمة ثم لا یعذبه ابداً

''جو آدمی اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر روزی کھائے گا۔ خدا اس کی طرف نظر رحمت کرے گا اور اس پر عذاب کبھی نہ ہوگا''۔ (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۲۴)

مرد کاسب خدا کا محبوب ہے

(۱۲) الکاسب حبیب الله ''مرد کاسب خدا کا محبوب ہے۔ (الکافی: ج ۵، ص ۷۹)

نیز آنحضرتؐ نے فرمایا: (۱۳) انی احب ان یناذی الر جل بحر الشمس فی طلب المعیشه .

''مجھے یہ پسند ہے کہ لوگ طلب معیشت کے لئے دھوپ کی اذیت برداشت کریں''

''دنیا کے کام اس طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور کار آخرت اس طرح کرو کہ گویا کل ہی مرنا ہے''

(۱۴) اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً و اعمل لآ خرتک کانک تموت غداً (لئالی الاخبار، ص ۳۳)

’’دنیا کا کام اس طرح کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت اس طرح کرو گویا کل ہی تم کو مرنا ہے‘‘۔

دوسروں پر اپنا بار معیشت نہ ڈالو، جو شخص اپنا بار دوسروں پر ڈالتا ہے وہ ملعون ہے

(۱۵) قال رسول الله ﷺ ملعون ملعون من القی کله علی الناس ملعون ملعون من ضیع من یعول‘‘ (الکافی ج:۴ص:۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ملعون ہے، ملعون ہے جو دوسروں پر اپنا بار ڈالتا ہے ملعون ہے، ملعون ہے وہ جو اپنے زیر دستوں کو مشکلات میں ڈالے۔‘‘

سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱۶) من اعظم الناس اجراً من سعی فی حاجةاحب من ضیع اهله و قطعه حرمه الله من الجزاء یوم یجزی المحسنین. (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۳۴۴)

حضور ﷺ نے فرمایا’’سب سے بڑا اجر اس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو آدمی اپنے اہل عیال کی خبر نہیں لیتا اور قرابتداروں کے حقوق ادا نہیں کرتا خدا اس کو روز قیامت اچھی جزا سے محروم کردے گا۔‘‘

جو شخص عیال کو ضایع کر دیتا ہے،
ان کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے

نیز آپ کا ارشاد ہے:(۱۷) ملعون ملعون من یضیع من یعول.

''وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو عیال کو باحال خراب چھوڑ دیتا ہے

''(الکافی ج:۴ص:۷۷)

روزی کمانے میں کاہلی کی مذمت

لا تکسل عن معیشتک فتکون کلا علی غیرک (لئالی الاخبار)

''روزی کمانے میں کسل و کاہلی نہ اختیار کرو کہ اس طرح دوسروں پر بار بن جاؤ گے۔

''(الکافی ج:۵ص:۸۷)

بے صبری اور کاہلی سے بچو

(۱۹) نیز حدیث میں ہے'' ایاک و خصلتین الضجر و الکسل فانک ان منجرت لم تصبر علی حق و ان کسلت لم تو دحقا (الکافی ج:۵ص:۸۶)

''تم دو خصلتوں سے بچتے رہو(ضجر)(تنگدلی و بے صبری (کسل و سستی و کاہلی) کیونکہ اگر تم بے صبر و تنگدل ہو جاؤ گے تو (اپنے) کسی حق پر صبر نہ کر سکو گے اگر کاہل بنو گے تو کوئی حق ادا نہ کرو گے''

ارشاد نبویؐ :جو آدمی منه کھولے خدا سے روزی کے لئے دعائیں مانگتا ھے اور طلب رزق نہیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں!

(۲۰) قال النبیؐ انی لابغض الرجل فاغرافاہ الی ربہ یقول ارزقنی و

یترک الطلب ۔" (وسائل الشیعہ ج ۱۷ ص ۱۲۹)

"آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے اس آدمی سے دشمنی ہے جو منہ کھولے پروردگار سے کہتا ہے کہ مجھے رزق عطا کر اور خود روزی نہیں کماتا"

جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بار ہلکا، دل مسرور اور عیال خوشحال رہتے ہیں

(۲۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: **من لم یستحی من طلب المعاش خفت مونته، ورخا باله، ونعم عیاله** (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۱۱)

"جو شخص طلب معاش میں شرم نہیں کرتا اس کا بار ہلکا، دل مسرور اور عیال خوش حال رہتے ہیں۔"

جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق کے لئے نہیں نکلتا اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی

(۲۲) **ان اصنافا من امتی لا یستجاب لهم دعاء هم**

"میری امت میں چند قسم کے لوگوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔"

ان اصناف کے بارے میں فرمایا: **و رجل یقعد فی بیته و یقول یا رب ارزقنی ولا یخرج ولا یطلب الرزق فیقول الله عز و جل عبدی الم اجعل لک السبیل الی الطلب و التصرف فی الارض بجوارح صحیحة .**

"وہ شخص جو گھر میں بیٹھا کہتا ہے پروردگار مجھے رزق دے اور نہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور نہ روزی کماتا ہے، خدا اس سے فرماتا ہے کہ کیا میں نے تیرے لئے روزی کمانے اور زمین میں تندرست

اعضاء سے کام کاج کرنے کی سبیل نہیں قرار دی ہے"۔ (الکافی: ج۵،ص ۶۸)

دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی، اصحاب رسولؐ کا ایک نصیحت خیز واقعہ

(۲۲۳) علی بن عبد العزیز راوی ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "عمر بن مسلم" کا حال پوچھا تو میں نے عرض کی کہ انھوں نے تجارت کا پیشہ چھوڑ دیا ہے اور عبادتوں میں لگ گئے ہیں تو حضرتؑ نے فرمایا:

ویحہ اما علم ان تارک الطلب لا یستجاب له دعوات ان قوماً من اصحاب الرسولؐ لما نزلت و من یتق الله یجعل له مخرجا و یرزقه من حیث لا یحتسب اغلقوا الابواب و اقبلوا الی العبادة و قالوا قد کفینا فبلغ ذالک النبیؐ فارسل الیهم فقال ما حملکم علی ما صنعتم فقالوا یا رسول الله تکفل الله لنا بارزاقنا فاقبلنا علی العبادة فقال انه من فعل ذالک لم یستجب له علیکم با لطلب.

"اس کے حال پر افسوس ہے کیا اس کو نہیں معلوم کہ ترک دنیا کرنے والوں کی دعائیں مقبول نہیں ہوتیں، اصحاب نبی میں سے کچھ لوگوں نے آیہ مبارکہ "من یتق اللہ" آیہ کے نزول کے بعد اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا نے ہمارے رزق کا ذمہ لے لیا ہے جب یہ حال جناب رسولؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا اور فرمایا تمہارے اس طرز عمل کا باعث کیا ہوا ہے؟ انھوں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! خدا تو ہمارے لئے روزی کا کفیل و ذمہ دار ہو چکا ہے، اس لئے ہم صرف عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں،

حضرتؑ نے فرمایا: جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہیں ہوگی، تم پر روزی کی تلاش لازم ہے"۔
(الکافی: ج۵، ص۸۴)

ارشاد نبویؐ، سوال کرنا بھیک مانگنا بہت برا کام ہے

(۲۴) قال مسئلة الناس من الفواحش و الفاحشة تباح عندا لضرورة و من سئل عن غنی فانما یستکثر من حمیم جهنم و من سئل و له ما یغنیه جاء یوم القیامة و وجهه عظم یتقعقع لیس علیه لحم . (وسائل الشیعہ ج۱۶ ص۱۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا: "لوگوں سے سوال کرنا بدکاریوں میں داخل ہے اور برے کام کی اجازت فقط ضرورت ہی کے وقت ہوسکتی ہے، بے ضرورت سوال کرنے والا جھنم کے گرم پانی کو اپنے لئے کثیر مقدار میں جمع کرتا ہے اور جو شخص سوال کرے گا درحالیکہ اس کے پاس بقدر ضرورت سامان رزق موجود ہے تو بروز قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر فقط ہڈیاں ہوں گی گوشت نہ ہوگا۔" (المحجۃ البیضاء ج:۷ ص:۳۷۷)

جو مسلمان لوگوں سے سوال کرے گا خدا اس کے آنکھوں کے درمیان یہ لکھ دے گا کہ یہ شخص تا قیامت فقیر رہے گا

(۲۵) نیز یہ ارشاد نبویؐ ہے: **من هداه الله للاسلام و علمه القر آن ثم سال الناس کتب بین عینیه فقیر الی یوم القیامة .**

" جسے خدا نے اسلام کی راہنمائی کی اور علم قرآن عطا کیا پھر اس نے لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلایا تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھدیتا ہے کہ یہ شخص

قیامت تک فقیر رہے گا۔" (مجموعۃ الورام ج:۱ ص:۷۰)

ایک در سوال کا کھولنا فقیری کے ستر (۷۰) دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے

(۲۶) نیز حضرتؑ نے فرمایا: من فتح على نفسه باب مسئلة فتح الله عليه سبعين باباً من الفقر لا يسدادنا ها شئى (وسائل الشیعہ ج۱۶ ص۱۱)

"جو شخص اپنے اوپر ایک دروازہ سوال کا کھولے گا تو خدا اس پر ستر دروازے فقیری کے کھول دے گا جن میں سے ادنی دروازے کو بھی کوئی چیز بند نہ کر سکے گی۔"

لکڑیاں چن کر بیچنا اور اس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

(۲۷) ان الارزاق دونها حجب فمن شاء هتك الحجاب و اخذا رزقه و الذى نفسى بيده لان ياخذاحدكم حبلا ثم يدخل عرض هذاالوادى فيـ ـلب ثم يدخل السوق فيبيعه بمد من تمر فاخذ ثلثه و يتصدق بثلثية خير له من ان يسئل الناس اعطوه او حرموه۔ (الکافی: ج۴، ص۲۱)

"روزیوں کے اوپر حجاب پڑے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے اپنی شرم و حیا پر قائم رہے اور جس کا جی چاہے حجاب غیرت کو چاک کر دے اور اپنا رزق حاصل کرے تم میں سے کوئی شخص اس وادی میں جا کر لکڑیاں جمع کرے اور بازار جا کر ایک مد خرما پر فروخت کر کے ایک تہائی خود کھائے اور دو تہائی محتاجوں پر تصدق کر دے تو یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہو گی کہ لوگوں سے سوال کرتا رہے خواہ اس کو دے یا محروم کر دے"۔

ہمارا پیرو وہ آدمی ہے جو بھوکا مر جائے
مگر بھیک نہ مانگے

(۲۸) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: شیعتنا من لا یسئل الناس ولو مات جوعا۔ (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۴۴۴)

''ہمارا شیعہ وہ ہے جو بھوکا مر جائے مگر لوگوں سے سوال نہ کرے''۔

ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔
اتباع امر نبیؐ کا اعلیٰ نمونہ

(۲۹) ایک روایت میں ہے:۔ انہ جاء ت فخذ من الانصار قالوا یا رسول اللہ ﷺ فرد علیھم السلام فقالوا لنا الیک حاجۃ فقال: (ھاتوا حاجتکم) فقالوا انھا حاجۃ عظیمۃ فقال: ھاتوھا ما ھی) قالوا: تضمن لنا علی ربک الجنۃ فنکس راسہ ثم رفع راسہ فقال: (افعل ذلک علی الا تسالوا احدا شیئا) فکان الرجل منھم یکون فی السفر فسقط السوطہ فیکرہ ان یقول الانسان ناولنیہ فراراً عن المسئلۃ، وینزل فیاخذہ و یکون علی المائدۃ و یکون بعض الجلساء اقرب الی الماء منہ فلا یقول ناولنی حتی فیقوم ویشرب. (الوسائل: کتاب الزکاۃ ابواب الصدقہ: باب ۳۳ الحدیث ۴)

''انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسالتمآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم ایک بڑی حاجت لے کر آئے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لئے بہشت کی ذمہ داری لے لیجئے۔ حضرت نے کچھ دیر تک سر جھکائے رکھا۔ پھر مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ میں اس شرط پر تمہارے لئے بہشت کا ضامن ہوتا ہوں کہ تم کسی سے سوال نہ کرو گے۔ ان لوگوں نے یہ شرط

قبول کرلی۔نوبت یہ پہنچی کہ اگر سفر میں ان کے کسی سوار کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا تھا تو وہ خود اتر کر اٹھاتا تھا۔اپنے کسی ساتھی پیدل چلنے والے سے یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا تازیانہ اٹھادو،اور کسی دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھتے تھے تو جس سے ظرف آب دور ہوتا تھا وہ خود اٹھکر جاتا اور پانی پیتا تھا،کسی قریب کے آدمی سے نہیں مانگتا تھا''۔

بھیک مانگنے والے کی گواہی لائق قبول نہیں

(۳۰)نیز جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا:**شهادة الذی یسئال فی کفه یرد :** جو آدمی بھیک مانگتا ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائی گی.(لئالی الاخبار: ص۱۴۶)

سبحان اللہ:کیسی اعلی اخلاقی ومعاشی تعلیم تھی،اور کیسے عالی ہمت اس کے ماننے والے تھے اگر آج تعلیم اسلامی پر عمل کرنے کا یہی مبارک جذبہ پیروان اسلام کے بنائے ہوئے طریقوں پر بلند ہمتی کے ساتھ گامزن ہوتے تو دنیا اسلامی اصول کی برتری تسلیم کئے بغیر نہ رہتی، جبکہ خود مسلمان ہی اسلامی تعلیمات سے ناواقف وبے بہرہ ہیں تو اغیار کا ناواقف رہ جانا کس طرح قابل تعجب ہوسکتا ہے۔؟

دکانداری وتجارت کی ہدایت

ارشاد نبوی ہے: **الرزق عشرة اجزاء تسعة منها فی التجارة** ''روزی کے دس حصے ہیں،نو حصے تجارت میں ہیں۔''(وسائل الشیعہ ج۹ ص۱۲)

ابوعمار راوی ہیں: **قلت لابی عبدا للهؑ انه قد ذهب مالی و تفرق مافی یدی و عیالی کثیر فقال ابو عبدا لله اذا قدمت الکوفة فافتح باب حالونک وابسط بساطک وضع میزانک و تعرض لرزق ربک ففعل ذالک فاثری و صار معروفاً .** (وسائل الشیعہ ج۱۷ ص۵۶)

''میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میرا سب مال ومتاع جاتا رہا اور عیال

میرے بہت ہیں کیا کروں ؟ حضرتؑ نے فرمایا: جب کوفہ میں تیرا جانا ہو تو اپنی دوکان کے در کھول دینا، بساط بچھا کر بیٹھ جانا، ترازو رکھ دینا اور اس طرح خدا کا رزق طلب کرنا اس نے ایسا ہی کیا اور مشہور صاحب ثروت ہو گیا۔"

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا:۔ **ای شئی تعالج ای شئی تصنع قلت ما انا فی شئی قال فخذ بیتا اکنش قناہ و رشہ و ابسط فیہ بساطاً فاذا فعلت ذلک فقد قضیت ما علیک** (لئالی الاخبار، ص۱۵۳)

"تمہارا روزگار کیا ہے کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں ۔تو فرمایا ایک دوکان لے لو، اس کے صحن کو جھاڑو، پانی چھڑکو اور فرش بچھا کر بیٹھ جاؤ، جب تم نے اتنا کر لیا تو اپنا حق اور فریضہ ادا کر چکے۔" (الکافی: ج:۵، ص ۸۰)

تجارتی کاروبار اپنا پیشہ بناؤ

(۴) تعرضوا للتجارۃ فان فیھا غنی لکم عما فی ایدی الناس

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: تجارت کا پیشہ اختیار کرو لوگوں سے بے نیازی کا راز اسی میں ہے۔(بحار، ص۸۵) (الکافی: ج:۵، ص ۱۵۰)

تجارت و دستکاری

(۵)سئال النبیؐ ای کسب الرجل اطیب قال عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور (لئالی الاخبار، ص۳۳۱)"

جناب رسول سے کسی نے پوچھا کون سا پیشہ اور کمانے کا طریقہ اچھا ہے؟ فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرنا یعنی دستکاری اور عمدہ و سچی تجارت۔ (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۲۵)

صنعت وحرفت کی ترغیب

جناب رسولؐ نے فرمایا: (۶) ان اللہ یحب المتحرف (لئالی الاخبار، ص۳۳۱)
صاحب حرفت ودرستکاری کو خدا دوست رکھتا ہے۔

جب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا
تو دین فروشی کرتا ہے اور
دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے

(۷) کان رسول اللہ صلعم اذانظر الی الرجل فاعجبہ قال ھل لہ حرفۃ فان قالوا لا قال سقط من عینی قیل و کیف ذالک یا رسول اللہ قال لان المومن اذا لم یکن لہ حرفۃ یعیش بدینہ (مستدرک المسائل: ج۱۳ ص۱۱)

جب آنحضرت کسی کو دیکھتے اور وہ آپ کو بھلا آدمی معلوم ہوتا تو پوچھتے تھے کہ یہ کوئی صنعت وحرفت کرتا ہے؟ اگر لوگ یہ کہتے کہ نہیں تو آپ فرماتے تھے کہ یہ شخص میری نگاہ سے گر گیا، کسی نے عرض کی اے رسول خداؐ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ جب مومن صاحب حرفت اور پیشہ ور نہیں ہوتا تو وہ اپنے دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے۔"

زراعت پرورش حیوانات وباغبانی

(۸) وَعَلَى اللّٰہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُومِنُونَ (سورہ توبہ: ۵۱)

"ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

حدیث میں ہے کہ "مومنون" سے مراد کاشتکار ومزارعین ہیں جناب سرور کائناتؐ سے کسی نے پوچھا کہ کونسا مال بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: زرع زرعہ صاحبہ و اصلحہ و ادی حقہ یوم حصادہ وہ کھیتی جس کو کاشتکار بوتا ہے اس کو درست کرتا ہے اور کاٹنے کے

دن اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۹ ص ۳۶)

پھر اس نے پوچھا زراعت کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: **رجل فی غنمه قد تبع بها مواقع القطر یقیم الصلوٰة و یوتی الزکوٰة** ۔ ''وہ آدمی جو بھیڑیں پالتا اور بارش کے مقامات سبزہ زاروں میں ان کو لئے پھرتا ہے نماز پڑھتا ہے اور زکوۃ ادا کرتا ہے ، پھر اس نے پوچھا بھیڑوں کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: **البقر تغدو بخیر و تروح بخیر** ، گایوں کے گلے جن کو تو صبح کو چرانے نکلتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے، پھر سوال ہوا کہ گائے کے بعد کونسا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا: **المطعمات فی المحل نعم الشئی النخل** زمانۂ قحط میں غذا دینے والے کھجور کے درخت نہایت خوب ہیں۔

(تفسیر نور الثقلین: ج:۳ ص:۳۹)

کاشتکاری و باغبانی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زراعت مکروہ ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: **ازرعوا واغرسوا والله ما عمل الناس عملاً اطیب من ذالک** (مستدرک المسائل: ج ۱۳ ص ۴۶۲)

'' کھیتی کرو باغ لگاؤ بخدا کوئی کام اس سے زیادہ حلال و پاکیزہ نہیں ہے۔''

خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے

ہارون راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کاشتکاروں کے متعلق پوچھا تو ارشاد ہوا: **هم الزارعون کنوزا لله فی ارضه وما فی الاعمال شی احب الی الله من الزراعة** ''کاشتکار خدا کے خزانوں کو زمین میں بوتے ہیں۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ پیشہ زراعت ہے۔'' (وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۲۵)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرے پدر بزرگوار (امام زین العابدین علی بن الحسینؑ علیہم السلام) کہا کرتے تھے کہ ''بہترین کام کاشتکاری و زراعت ہے کیونکہ اس سے مومن و بدکار سب ہی منتفع ہوتے ہیں اور حیوانات کو بھی نفع پہونچتا ہے۔''

باغبانی

جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا: **من سقی طلحه او سدرة فکانما سقی مومنا من ظماء** (مستدرک المسائل: ج ۱۷ ص ۴۳)

''جو شخص درخت خرما یا بیر کے درخت کو پانی دیتا ہے گویا کہ وہ کسی پیاسے مومن کو پانی پلاتا ہے۔''

سیرت جناب امیرؑ کے متعلق ارشاد دیلمی میں مروی ہے، **کانؑ یغرس النخل و یبیعها و یشتوی بثمنها العبید و یعتقهم و یعطیهم مع ذالک ما یغنیهم عن الناس**

جناب امیرؑ کھجور کے باغ لگاتے اور اسے فروخت کرتے تھے اور اس کی قیمت سے غلاموں کو خرید کر کے آزاد کردیتے تھے اور ان کو اتنا مال بھی دیدیتے تھے جس سے وہ لوگوں کے محتاج نہ رہیں۔''

نیز حضرت کے متعلق مروی ہے، **لقد اعتق الف مملوک من کد یمینه تربت منه یداه و عرق فیه جبینه** ، (بحار الانوار: ج: ۴۱) ''حضرت امیر المومنین نے ایک ہزار غلام اپنی ذاتی کمائی سے جس میں دست مبارک خاک آلود اور جبین مقدس عرق ریز ہوئی تھی خرید کر آزاد فرمائے۔

سیرت نبویؐ و سیرت دیگر پیشوایان اسلام

(۱۲) رأیت ابا الحسن علیه السلام یعمل فی ارض له قد استفعت قد ماه فی العرق فقلت له جعلت فداک این الرجل فقال یاعلی من عمل

بالید من هو خیر منی فی ارضه ومن ابی فقلت و من هو قال رسول الله و امیر المومنین و ابائی کلهم کانوا قد عملوا بایدیهم و هو من عمل النبیین والمرسلین والاوصیاء والصالحین (الکافی: ج۵،ص۷۶)

ابوحمزہ راوی ہیں ''میں نے ابوالحسن علی رضا علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی ایک زمین میں اپنے ہاتھوں سے کام کررہے ہیں اور دونوں پاؤں غبار و پسینے سے آلود ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کی کہ میں آپ پر فدا کیا جاؤں آدمی کہاں ہیں؟ (جو آپؑ خود محنت و مشقت برداشت کررہے ہیں) فرمایا: اے علی! اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں نے کام کئے ہیں جو خدا کی زمین میں مجھ سے بہتر تھے۔ میں نے عرض کی وہ حضرات کون تھے؟ فرمایا: جناب سرالتمآب اور امیر المومنین اور میرے سب باپ دادا اپنے ہاتھوں ہی سے کا کیا کرتے تھے۔ اور انبیاء و مرسلین، اوصیاء و صالحین کا بھی طریق عمل یہی رہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

انی لا عمل فی بعض ضیاعی حتی اعرق و ان لی من یکفینی لیعلم الله انی اطلب الرزق الحلال (الکافی: ج۵،ص۷۷)

میں اپنی زمینوں میں خود کام کرتا ہوں یہاں تک کہ پسینے میں ڈوب جاتا ہوں، حالانکہ میرے پاس خدمتگار موجود ہوتے ہیں جو میری مدد کرسکتے ہیں۔ میں ایسا اس غرض سے کرتا ہوں تاکہ خداوند عالم دیکھ لے کہ میں رزق حلال کا طالب ہوں۔''

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

کان امیر المومنین یخرج فی الها جرة فی الحاجة قد کفاها یرید ان یراه الله یتعب نفسه فی طلب الحلال، (من لایحضرہ الفقیہ: ج:۳ ص:۱۶۵)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام دو پہر کی شدید گرمی میں خود حاجات وضرورت کے لئے نکل پڑے ہوتے تھے حالانکہ آپ کی مدد کرنے والے موجود تھے مگر آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ خداوند عالم یہ دیکھ لے کہ طلب حلال میں آپ اپنے نفس کو تعب میں ڈالتے تھے۔''

روایات مندرجہ بالا کے مضامین کا خلاصہ

ان روایات واخبار سے مندرجہ ذیل نتائج نگاہ عقل کے سامنے آتے ہیں:

(۱) اسلام کو گداگری سے نفرت ہے بے ضرورت سوال کرنا اور بھیک مانگنا اس کے نزدیک ناجائز اور برا کام ہے۔

(۲) اسلام کو یہ گوارہ نہیں کہ کوئی تندرست وتوانا آدمی اپنا بار معیشت دوسروں پر ڈالے وہ اس کو قابل لعنت کام قرار دیتا ہے اور وہ کاہلی اور سستی کا سخت مخالف ہے۔

(۳) زیادہ سے زیادہ افراد کا سب پیدا کرنا، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت کو فروغ دینا، زمین کی آبادی اور کسب معاش کے جائز ذرایع و وسائل کو وسیع کرنا، اس کا عظیم الشان نصب العین ہے، ذوق اسلامی راہبانہ وجوگیانہ طریقوں سے حاصل کی ہوئی معاش کو'' اکل بالباطل ''یعنی حرام خوری قرار دیتا ہے، یا ایھا الذین اٰ منو ا ان کثیرا ً من الاحبا ر و الر ھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل (سورۂ توبہ:۳۴)''اے ایمان لانے والو! یقیناً (یہود ونصاریٰ) کے بہت سے علماء اور راہب، لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔''

(۴) زراعت وتجارت وباغبانی اس کے نزدیک وسائل معاش کے اعلیٰ اقسام ہیں، نوکری، مزدوری، مستاجری، کو وہ تجارت کے برابر اہمیت نہیں دیتا، اور اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔

اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اوراس کا سبب

عمار ساباطی ناقل ہیں کہ میرے سوال کے جواب میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا:

لا یوجر نفسه و لکن یسترزق الله عز و جل و یتجر فانه اذا جر نفسه خطر علیٰ نفسه الرزق ،کوئی شخص اپنے نفس کا سودا نہ کرے بلکہ خدا سے رزق کا طالب ہو(یعنی اجرت پر کام کرنا، اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے)اور تجارت کا پیشہ اختیار کرے کیونکہ اپنے نفس کا معاملہ اجرت پر کرنے سے رزق کم ہوجاتا ہے۔(من لایحضرہ الفقیہ : ج:۳ ص۱۷۵)

اصول ،اجمالی فی الطلب"،تحصیل رزق کے لئے سعی ومحنت کے عمدہ طریقے اختیار کرو

جناب رسالتمآب نے فرمایا:**ایھا الناس ان الرزق مقسوم من الله تعالیٰ وامراء ما قسم له فاجملوا فی الطلب**

''لوگو!رزق خدا کی طرف سے تقسیم شدہ ہے جس کی قسمت میں جتنا رزق ہے وہ اسے ضرور ملے گا،لہٰذا طلب رزق میں اچھے طریقے اختیار کرو۔'' (مستدرک المسائل:ج ۱۳ ص۴۲)

اصول اجمال فی الطلب کا خلاصہ

فخفض فی الطلب و اجمل فی المکتسب فانه رب طلب قد جر الی حرب (نہج البلاغہ امام حسن علیہ السلام کے نام خط نمبر ۳۱)

''جناب امیرالمومنین کا ارشاد ہے''طلب رزق میں نرم رفتار سے چلو کسب معاش میں اچھے

طریقے اختیار کرو کیونکہ اکثر معاشی دوڑ دھوپ کا انجام جھگڑا و فساد ہے۔

شیخ محمد عبدہ مصری شارح نہج البلاغہ نے مذکورہ جملوں کی شرح میں کہا ہے: ای سعی سعیا جمیلا لا یحرص فیمنع الحق و لا یطمع فیتناول ما لیس بحق ''یعنی آدمی سعی جمیل اختیار کرے نہ حریص بنے اور نہ کسی کا حق روکے اور نہ طمع کرے اور وہ چیزیں لے لے جو اس کا حق نہیں ہیں۔

طلب رزق و کسب معاش میں اچھے اور معتدل طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس کی مصلحت بھی بتا دی ہے، یعنی حرص و ہوا کے ماتحت غیر جمیل سعی و طلب کا انجام یہ ہو گا کہ حقداروں کے حقوق تلف ہوں گے، آدمی دوسرے کے حق کو روکے گا، اور وہ مال و دولت بھی حاصل کرے گا جس کا اس کو حق نہیں ہے اور اس طرح آپس میں جنگ و پے کار چھڑ جائے گی۔ طلب الکل کا انجام فوت الکل ہوگا اور اس طریقہ پر تعمیر معاش میں صورت تخریب مضمر ہوگی، کیا آج ہمارے سامنے دنیا کی معاشی پیچیدگیاں اور فتنہ سامانیاں نہیں ہیں جو صرف اجمال فی الطلب کے اصول پر عمل نہ کرنے کا تلخ مزہ اور مہلک نتیجہ ہیں، کیا پر آشوب حالات عام یہ درس عبرت نہیں دیتے کہ بری طرح کمانے کا انجام سب کچھ کھو دیتا ہے۔؟

طلب رزق کے معتدل حدود

لا تجاهد الطلب جهاد العدو و لا تتكل على القدر اتكال المستسلم فا ن انشاء الفضل من السنة و الاجمال فى الطلب من العفة ۔

''طلب معاش میں اتنے جد و جہد نہ کرو جتنی دشمن سے مقابلہ میں کی جاتی ہے اور نہ تقدیر کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے کا طریقہ اختیار کرو معاش میں زیادتی پیدا کرنا سنت ہے اور طلب معاش میں عمدہ طریقے اختیار کرنا شعار عفت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:و لیکن طلبک المعیشة فوق کسب المضیع دون طلب الحریص الراضی بالدنیا المطمئن الیها و لکن انزل نفسک من ذالک بمنزلة المنصف المتعفف (بحار، ج۲۳،ص۱۲)۔

''طلب معاش میں تمہاری کوشش اس شخص سے بالاتر ہونی چاہیے جو بیکاری میں رہکر اپنی معاش کو ضایع کرتا ہے اور اس حریص سے کم جو دنیا ہی پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے بلکہ اپنے نفس کی منزل ان دونوں کے درمیان وہاں قرار دو جہاں انصاف پرور و پرہیزگاروں کا مقام ہے۔''

حریفانہ مقابلہ ومفاخرت کے خیال سے بطریق حلال تحصیل دولت و مال بھی باعث غضب الٰہی ہے

طلب حلال میں بھی سرمایہ دارانہ حریفانہ مقابلہ اور مسابقت نہ ہو، مال و دولت میں کثرت طلبی خالص دنیاداری کا رنگ اختیار کرلے اور اس کا انجام تکاثر و تفاخر ہو معاشی میدان عمل میں کامیاب، اپنی کامیابی کو نا کاموں پر فخر کا ذریعہ بنائے، یہ اغراض اسلام کی نظر میں فاسد اور قابل نفرت ہیں، اور کسب حلال بھی اگر ان اغراض کے ماتحت ہوگا تو باعث غضب خداوندی قرار پائے گا۔

اس حدیث میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔ من طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفاخراً لقی اللہ و هو علیه غضبان و من یطلبها استعفافاً عن المسئلة و سیانة لنفسه جاء یوم القیامة و وجهه کالقمر لیلة البدر .

(مستدرک المسائل:ج ۱۳ ص۵۳)

جو آدمی حلال طریقوں سے بھی دنیا کی طلب اس غرض سے کرے گا کہ کسب و دولت میں دوسروں سے بڑھ جائے اور اس بات پر فخر کرے تو خدا کے سامنے اس طرح آئیگا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا اور جس کا مقصد طلب دنیا سے یہ ہوگا کہ ذلت سوال سے اپنے نفس کو بچائے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا

یہ حدیث طلب اسباب معیشت کی جائز و ناجائز اغراض کو متعین کر دیتی ہے اور اس پر متنبہ کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت اور حریفانہ مقابلہ و کشمکش جذبہ تفاخر و تکاثر کسب حلال میں بھی نا قابل برداشت ہے، اسلام کی نظر میں وہ سعی معاش وطلب رزق ممدوح ہے جس کی نیت بخیر اور طریق کار اخلاقی نقطۂ نظر سے درست ہو۔

پرہیزگاری وخوش کرداری کا افزائش رزق میں دخل ہے

اسلام کی نگاہ میں جس نیت وصلاح کار و خوبیٔ کردار کو انسان کی وجہ معیشت ورزق کی اصلاح میں بڑا دخل ہے، جس کے چند شواہد یہ ہیں: (۱) لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُوْلَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورۂ سبا:۴)

''تا کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے خدا ان کو جزائے خیر عطا کرے یہ لوگ وہ ہیں جن کے واسطے گناہوں کی مغفرت اور باعزت روزی ہے

(۲) ... وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا . وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لاَيَحْتَسِبُ ...(سورہ طلاق: ۲ و ۳)

'جو شخص خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کی نجات کا راستہ قرار دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہ ہو۔

تنگیٔ معاش اور زوال نعمت کے اسباب

عن امیر المومنین ما زالت نعمة قوم ولا غضارة عیش الا بذنوب اجترحوها ان الله لیس بظلام للعبید۔

''حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قوم کی نعمت اور سکھ اور چین کی زندگی پر زوال نہیں آیا، مگر اس کے افراد کے گناہوں ہی کی وجہ سے، خدا تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔'' (مستدرک المسائل: ج ۱۲ ص ۳۷۰)

افزائش رزق حسن نیت سے وابستہ ہے

من حسنت نیته زید فی رزقه ''جس کی نیت اچھی ہوگی اس کا رزق زیادہ ہوگا'' (وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۵۳)

توکل بھی وسعت رزق کا ذریعہ ہے

وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہُ (طلاق: ۳)

جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

ارشاد نبوی ہے: **لو توکلتم علی الله حق توکله لرزقتم کما ترزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا** ''(مستدرک المسائل: ج ۱۱ ص ۲۱۸)

''اگر خدا پر تم کو پورا بھروسہ ہو تو روزی تمہیں اس طرح ملنے لگے گی جس طرح پرندوں کو ملتی ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

جن دماغوں میں غبار مادیت بھرا ہوا ہے وہ تعجب سے یہ سوچنے لگیں گے کہ دنیوی معیشت کے اسباب میں اخلاق و روحانیت کی تاثیر و مداخلت کیسی؟ مگر یہ ایک حقیقت ثانیہ

ہے جس کا تجربہ ہر انسان کرسکتا ہے، بلکہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

حکم طلب معیشت اور حکم توکل میں ضدیت نہیں

ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ توکل اور طلب معیشت دونوں باتیں باہم ضدیت رکھتی ہیں۔ خدا پر بھروسہ اور تلاش رزق میں دوڑ دھوپ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، اس لئے ضروری ہے کہ ''توکل'' کے صحیح مفہوم اور حقیقت کی بابت پیشوائے اسلام کی تعلیمات پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان حضرات نے جو توضیح ،توکل کے دئے ہیں اس کے معنی کیا ہیں۔

تدبیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ سعی عمل کے بعد توکل

مروی ہے:(۱) **ان اعرابیا دخل مسجد النبیؐ فقال اعقلت ناقتک قال لا قد توکلت فقال اعقلها و توکل** (لئالی الاخبار،ص۱۵۶) (مشکاۃ الانوار: ص:۳۲۰)

'' ایک اعرابی مسجد نبیؐ میں آیا تو آنحضرت نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی اونٹنی کے پاؤں کو باندھ دیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نے خدا پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کے پاؤں رسی سے باندھ دے اور خدا پر توکل کر''۔

اس ارشاد نبویؐ کی بنا پر جناب امام جعفر صادق نے فرمایا: **التوکل ان تعقل بعیرک ثم تقول توکلت علی الله** ۔ حقیقت توکل یہ ہے کہ تم اپنے اونٹ کے پاؤں کو

باندھ دو پھر کہو "توکلت علی اللہ" مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔

حقیقت توکل کے متعلق ارشاد نبویؐ

العلم بان المخلوق لا یضر ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع واستعمال الیاس من الخلق فاذا کان العبد کذالک لم یعتمد الی احد سوی اللہ ولم یرجع لم یخف سوی اللہ و لم یطمع فی احد سوی اللہ فھذا ھو التوکل (لئالی، ص۱۵۶)

"توکل" یہ جان لینا ہے کہ کوئی فرد مخلوق نہ ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع دے سکتی ہے عطا کرنا اور روکنا کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں اور خلق کی جانب سے امید قطع کر لینا، جب بندہ ایسا کرے گا تو اس کو خدا کے سویٰ اور کسی پر بھروسہ نہ ہوگا اور نہ اس کی رجوع کسی کی طرف ہوئی، سوا خدا کے نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوگا، اور نہ اس کی طمع سوا خدا کے کسی سے وابستہ ہوگی

قول خداوندی "وما یومن اکثرھم الا و ھم مشرکون" کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ھو قول الرجل لو لا فلان لھلکت و لو لا فلان ما اصبت کذا کذا ولو لا فلان مضاع عیالی الا تری انہ قد جعل للہ شریکا فی ملکہ یرزقہ و یدفع عنہ قال راوی فیقول ما ذا یقول لو لا ان من اللہ علی بفلان لھلکت قال نعم لا باس بھذا او نحوہ (لئالی الاخبار، ص۱۵۶)

"شرک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا اور اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں اپنے مطالب و مقاصد نہ پا سکتا، اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میرے عیال ضایع ہو جاتے، جو شخص یہ باتیں کہتا ہے وہ خدا کا شریک اس کے ملک میں قرار دیتا ہے جو اس کو رزق دیتا ہے اور اس سے مصیبتوں کو دفع کرتا ہے راوی نے کہا پھر کیا اسے اس طرح کہنا چاہیے کہ اگر خدا نے فلان آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا آپ

نے فرمایا: ہاں، اس طرح کی باتوں میں مضائقہ نہیں''

امامؑ کا مقصد یہ ہے کہ اگر بنظر تحقیق غیر خدا پر اعتماد کی تحقیق وتشریح کی جائے تو ظاہر ہوگا کہ خدا پر یقین نہ ہونا یعنی کفر باطنی ہی اس کا منشاء ہوا کرتا ہے اگر خدا پر یقین واعتماد کا اس کی ذہنی و باطنی دنیا میں پورا دخل ہوتو غیر خدا پر بھروسہ قائم ہونے کی وجہ باقی نہ رہے گی۔

حقیقت ''توکل'' خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ''توکل'' کے معنی اپنے امور میں خدا کو وکیل بنانے کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنا ''وکیل'' اس وقت بناتا ہے جبکہ اس پر پورا اطمنان واعتماد رکھتا ہے لہٰذا ''توکل'' سعی عمل اور تدبیر کے خلاف نہیں ہے۔اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے تدبیر وسعی عمل سے ہاتھ کھینچ لے اور معطل ہو کر بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے سیفت ''توکل'' خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا، بات یہ ہے کہ انسان کسی اعتماد اور دبن بوتے پر ہی کوشش کرسکتا ہے، اگر امید واعتماد بالکل نہ ہو تو مطلق یاس وقنوط کی حالت میں اس کی قوت عمل میں حرکت پیدا ہی نہیں ہوسکتی تحریک عمل کے لئے اعتماد کا سہارا ضروری ہے، انسان کے لئے معاش ومعاد کی مثال حاضر وغائب، عاجل، واجل، امروز وفردا کی ہے، معاشی ضرورتیں اسے احساس معاد وآخرت سے پہلے دامنگیر ہوتی ہیں، جب وہ میدان میں آتا ہے تو اسباب معاش ورزق کے طویل مسائل سارے عالم علوی وسفلی میں پھیلے نظر آتے ہیں، اس کو ایک وقت کی غذا حاصل ہونے میں زمین وآسمان ابر وہوا چاند وسورج اور بہت سی علوی وسفلی، مخفی وظاہری طاقتوں کا دخل نظر آتا ہے اس کا بھی احساس ہوتا ہے کہ خود اس کی قوت عمل وتدبیر بھی اسباب معیشت کی تحصیل میں دخل رکھتی ہے، اب ان کے سامنے دو ہی

صورتیں ہوتی ہیں یا تو اپنی قوت اور عالم اسباب میں بکھرے ہوئے اسباب ووسائل پر بھروسہ کرے یا کسی ایسی طاقت پر جو تمام قوتوں پر حاوی اور تمام اسباب ووسائل پر محیط ہے

پہلی صورت میں اس کو ذہنی وقلبی انتشار کا سامنا ہوگا، اس کی امیدوں وآرزوؤں کا واحد مرکز نہ ہوگا، پریشانی خیال اسی کے دامن سے وابستہ ہوگی ایک مبتلائے فکر معاش انسان کو بھی علوی اسباب کی عاجزانہ خوشامد کرنی ہی پڑے گی اور کبھی سفلی وسائل کی رضا جوئی کی فکر، وجہ پریشانی خاطر ہوگی، کبھی سماوی طاقتوں کی ناراضی کا ڈر اور کبھی ارضی قوتوں کی غضبنا کی کا اندیشہ غرض امیدوں کی یہ لامرکزیت اس کو سکون قلب سے کبھی آشنا، نہ ہونے دے گی اور اس کے حال پریشاں کی تصویر اس صورت کے مطابق ہوگی جو اس آیہ مبارکہ کے آئینہ میں دلھائی گئی ہے: ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً رَجُلاً فِیہِ شُرَکَاءُ مُتَشَاکِسُونَ وَرَجُلاً سَلَمًا لِرَجُلٍ ھَل یَسْتَوِیَانِ مَثَلاً ...(سورہ زمر: ۲۹)

''خدا نے ایک مثل بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی جھگڑالو (آقا) شریک ہیں، اور ایک غلام ہے جو صرف ایک ہی شخص کا ہے، تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہوسکتی ہے

عالم اسباب میں ہر جانب پھیلے ہوئے اسباب معاش ووسائل رزق سے امید واعتماد کی وابستگی ہی شرک جلی وخفی کا مبداء بنتی ہے۔

دوسری صورت میں اس کی معاشی امیدوں کا ایک مرکز ہوگا، عالم کے تمام منتشر مختلف اسباب ایک مرکزی نظام کے تحت واحد مسبب الاسباب سے وابستہ نظر آئیں گی، اور اس کی عقیدت اور نیازمندی کا صرف مرکز اعتماد سے وابستہ ہونا اس کو پریشانی ذہن وخیال سے بچا کر اطمینان وسکون خاطر کی نعمت سے بہرہ مند کردے گا: اَلا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطمَئِنُّ القُلُوب (دلوں کا اطمینان صرف خدا کی یاد سے وابستہ ہے)

اصول توکل کا حاصل اور ثمرہ

اسلامی نظام معیشت میں اصول ''توکل'' کا حاصل یہ ہے کہ معیشت کی بہتری کے لئے کوشش کرو، مگر کامیابی کے لئے اسباب پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھو، روزی رسان کے فضل وکرم کے اعتماد پر میدان عمل میں جدوجہد کرو، نہ کہ اپنی محدود و عاجز قوت عمل اور دیگر اسباب و وسائل کے بھروسہ پر، اس سے مقصود تحصیل اسباب رزق سے دست برداری کی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اسباب پر کلی اعتماد نہ کرنے کی ہدایت ہے، ذہنی انتشار، پریشانی خیال اور شرک مخفی و کفر باطنی سے محفوظ رکھنا، اس اصول کا اصل نصب العین ہے، اسی نصب العین کے ماتحت قرآن مجید کے بے شمار آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ رزاق حقیقی خدا ہے تمام اسبابِ علوی و سفلی اسی کے مسخر و تابع فرمان ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ ان کو امیدوں کا مرکز بنایا جائے، ساتھ ہی اس کے ان اسباب سے قطع تعلق نہ کیا جائے، جن سے خدا نے مسببات کو اس طرح مرتبط کر دیا ہے کہ ان کے بغیر وہ کبھی عالم وجود میں نہیں آتے، ان مسببات کا ان اسباب سے مشروط ہونا، اور ان کے بغیر حاصل نہ ہونا فطرت کا ایک عام اصول ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، ہم بھوکے اور محتاج غذا بھی ہیں، مگر اس کا ہمارے منہ میں جانا اور ہمارا رزق بننا اس کی طرف ہاتھ بڑھانے، ہاتھ منہ میں رکھ کر دانتوں سے چبانے پر موقوف ہے اور یہ ایسی شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ کھانا فطرت کے عام اصول کی بنا پر ہماری غذا اور ہمارا رزق نہیں بن سکتا، اب اگر ہم سوچیں کہ ہم کو خدا پر توکل کرنا چاہیے، اور شرط توکل عدم سعی وطلب ہے اور ہاتھ کو کھانے کی جانب بڑھانا اور اس سے اس کو دہن تک لانا پھر دانتوں سے چبانا یہ تمام امور سعی و حرکت و عمل ہیں، لہٰذا ان کو چھوڑ کر خدا پر اعتماد کئے بیٹھے رہنا چاہیے، وہ خود کھانے کو ہمارے دہن تک پہنچا دے گا، ظاہر ہے کہ اس قسم کا

خیال مجنونانہ ہوگا اسکو توکل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، صورت مذکورہ میں ''حقیقت توکل'' تو یہ ہوگی کہ ہم ہاتھ بڑھائیں اور کھائیں اور اس کام میں رزاق حقیقی کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ اثناء عمل میں ہاتھ شل ہو جائیں، یا ایسے حالات واتفاقات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا ہمارا رزق نہ بن سکے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: **اوجب الله لعباده ان يطلبوا منه مقاصد هم بالاسباب التي سببها لذالک و امرهم بذالک** ۔(جامع السعادات:ص:۵۳۴)

''خداوند عالم نے بندوں پر واجب کیا ہے کہ اپنے مقاصد کو ان اسباب کے ذریعہ سے طلب کریں اور اس نے بندوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے''۔

نظریہ ومقصد وعمل کے اعتبار سے اسلام کا نظام معیشت ایک قسم کا معتدل نظا اشتراکیت ومساوات ہے اشتراکیت سے مراد زمانۂ حاضرہ کا نظام اشتراکیت کمیونزم نہیں ہے، کیونکہ اس نظام کے بعض بنیادی نظریات اگر چہ نظام اسلام سے ماخوذ ہیں مگر طریق کار میں بہت زیادہ اختلاف ہے چونکہ اسلام کو اشتراکی نظام کہنے سے ''مخالف اسلام اشتراکیت'' سے اس کا التباس واشتباہ پیدا ہو سکتا ہے، لہٰذا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسلامی نظام اخوت ومواساۃ، عدل و مساوات کا نظام ہے، جو سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ان تمام اسباب کا دشمن ہے جن کا انجام یہ ہو کہ مال ودولت مخصوص طبقوں میں سمٹ کر محدود ہو جائے، عام بندگان خدا ابتلائے فقر واحتیاج ہو جائیں چند افراد، دولت وثروت کے اندر لوٹتے رہیں اور مسرفانہ تعیش پرستی میں زرومال لٹاتے ہوں اور دوسرے خدا کے بندے نان شبینہ کے محتاج، ننگے بھوکے بے جانماں پھرتے اور سامان معیشت کے لئے ترستے ہوں، ان مقاصد سے بچنے کے لئے جو امور ضروری تھے ان کا مکمل بندوبست نظام اسلام کے پیش نظر ہے۔

(امر اول) فاسد سرمایہ داری اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کا مذموم جذبہ جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے ان کو ایک حدیث میں امام رضا علیہ السلام نے یکجا بیان فرمایا ہے:

لا یجتمع الا بخمس خصال ببخل شدید و امل طویل و حرص غالب و قطیعة الرحم و ایثار الدنیا علی الآخرة۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۵ ص ۲۶۵)

''مال کے جمع ہونے کا باعث بس پانچ خصلتیں ہوا کرتی ہیں، سخت بخل، لمبی آرزوئیں، حرص غالب، قطع رحم یعنی حقوق اہل قرابت ادا نہ کرنا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا، نظام اسلامی نے ان تمام فاسد خیال سے ہر انسان کو پاک رہنے کی ہدایت فرمائی ہے''۔

بخل کی مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ... (آل عمران/۱۸۰)

''جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (مال و دولت) میں سے کچھ حصہ دیا ہے اور (پھر) وہ بخل کرتے ہیں انھیں اس خیال خام میں نہ رہنا چاہیے کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوگا، بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے جس (مال) میں وہ لوگ بخل کرتے ہیں اسی کا طوق بنا کر عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے میں پہنایا جائے گا۔''

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى . وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى . فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى . وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى (سورۂ لیل: ۸ تا ۱۱)

''جس نے بخل کیا اور بے نیاز اور بے پرواہ بنا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی (و بدحالی) میں ڈالدیں گے اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا''۔

حدیث نبویؐ: **ایاکم والشح فانہ اھلک من کان قبلکم حملھم ان یسفکو ا دمائھم و یستحلوا محارمھم** (وسائل الشیعہ ج ۹ ص ۴۳)

''تم بخل کی خصلت سے بچو کیونکہ وہ اگلی امتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکی ہے اسی نے انھیں خون بہانے اور حرمتوں کو برباد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔''

نیز حضرتؐ نے فرمایا: **البخل شجرة ینبت فی النار ولا یلج النار الا بخیل**

''بخل ایک درخت ہے جو دوزخ کی آتشین زمین میں اگتا ہے اور بخیل ہی دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائے گا''۔ (مستدرک المسائل: ج ۷ ص ۱۴)

نیز آپؐ کا ارشاد ہے: **ادوی الداء البخل بعید من الله بعید من الناس بعید من الجنة قریب من النار** (جامع السعادات)

''بدترین مرض کنجوسی ہے'' بخل خدا سے دور ہے انسانوں سے دور ہے جنت سے دور ہے، اور دوزخ کی آگ سے قریب ہے۔

طول عمل کی مذمت

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (حجر: ۳)

''انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو کہ کھائیں (پئیں) اور (دنیا کی چند روزہ زندگی میں) چین کر لیں اور ان کی آرزوئیں انھیں گرفتار غفلت رکھیں عنقریب (اس کا انجام) انھیں معلوم ہو جائے گا۔''

حدیث نبوی ہے (جس کو ہم مولا امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کر رہے ہیں):

ان اشد ما اخاف علیکم خصلتان اتباع الهوی و طول الامل اما اتباع الهوی فانه یعدل عن الحق و اما طول الامل فانه یحب الدنیا

''مجھے تم پر جن باتوں کا خوف ہے ان میں دو خصلتیں سب سے زیادہ سخت ہیں، خواہشوں کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں خواہشوں کی پیروی حق سے پھیر دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں محبت دنیا پیدا کرتی ہیں''۔ (نہج البلاغہ: خ: ۴۲)

نیز حضرتؐ کی ایک دعا میں ہے: **اللهم انی اعوذبک من دنیا تمنع**

الاخـرۃ و اعوذ بک من حیات تمنع خیر الممات واعوذ بک من امل یمنع خیر العمل (جامع السعادات:۴۱۹)

''اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس دنیا سے جو آخرت کی سعادت میں رکاوٹ بنتی ہو''۔

اس دعا میں حضرتؑ نے تین چیزوں سے اظہار نفرت فرمایا ہے اور خدا سے پناہ مانگی ہے، ایسی دنیا جو خیر آخرت سے مانع ہو، ایسی زندگی جو اچھی موت مرنے سے روکے، ایسی لمبی آرزوئیں جو حسن عمل و خوبی کردار سے مانع ہوں۔

حرص و طمع نہ کرو

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا (سورۂ طہ/۱۳۱)

''اے پیغمبرؐ! ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو زندگی دنیا کی رونق کے سامان دیئے ہیں تاکہ اس ذریعہ سے ہم ان کو آزمائیں تم ان (مسلمانوں) کی طرف نظریں نہ بڑھاؤ''۔

قطع رحم کی مذمت صلہ رحمی نہ کرنا موجب لعنت خدا ہے

(۱) وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (سورۂ رعد/۲۵)

''وہ لوگ جو خدا کے عہد کو اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن (باہمی تعلقات) کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں قطع کرتے ہیں زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں

کے واسطے برا گھر (دوزخ) ہے"۔

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم

(۲)وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً

(سورۂ نساء/۱)

"اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قطع رحم (قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت میں کوتاہی) کرنے سے بھی (ڈرو) بے شک خدا تمہارا نگراں ہے"۔

حدیث نبویؐ ہے:۔ان ابغض الاعمال الی اللہ تعالیٰ الشرک باللہ ثم قطیعة الرحم (جامع السادات ص۳۳۲)

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کام شرک ہے۔ اوراس کے بعد قطع رحم یعنی حقوق قرابت کو ضایع کردینا"۔

قطع رحم باعث تعجیل فنا اور سلب نعمت ہے

جناب امیرؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا: اعوذ باللہ من الذنوب التی تعجل الفناء اس وقت ایک شخص نے اٹھ کر پوچھا کیا ایسے بھی گناہ ہیں جو جلد فنا کردیئے جائیں! آپؑ نے فرمایا: نعم و تلک قطیعة الرحم ان اهل البیت یجتمعون و یتواسون و هم فجرة فیر زقهم اللہ عز و جل و ان اهل بیت یتفرقون و یقطع بعضهم بعضا فیحرمهم اللہ وهم اتقیاء .

"ہاں قطع رحم ایسا ہی گناہ ہے۔ بعض گھرانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باہم

اتفاق رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہتے ہیں تو باوجود اس کے کہ بدکار ہوں خدا ان کو صلہ رحمی کی بدولت رزق عطا کرتا ہے اور بعض گھرانے والے جو افتراق پسند ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں تو خدا ان کو رزق سے محروم کر دیتا ہے، گرچہ وہ پرہیزگار ہوں''۔

صلہ رحمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے

نیز آپ نے فرمایا: اذا قطعوا الارحام جعلت الاموال فی ایدی الاشرار ،جب لوگ قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے تو ان کے اموال نصیب اشرار بن جایا کرتے ہیں''۔(الکافی: ج ۲، ص ۳۴۸)

اگر بدکار لوگ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں تو اس سے ان کے مال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے

جناب امیرؑ نے فرمایا: ان اعجل الطاعات ثوابالصلة الرحم و ان القوم لیکونو ن فحارا فیتواصلون فتنموا اموالهم و یثرون (مستدرک الوسائل: ج ۱۵ ص ۲۴۰)

''خدا کی بندگیوں میں جس کا ثواب سب سے زیادہ جلد ملتا ہے وہ صلہ رحم ہے، اگر کسی قوم کے افراد بدکردار ہونے کے باوجود صلہ رحمی (حقوق قرابت کی نگہداشت) کرتے ہیں تو ان کے مال و دولت میں افزائش ہوتی ہے اور وہ صاحب ثروت ہو جاتے ہیں''۔

ان احادیث سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ نظام اجتماعی کی خیر فلاح کا مدار جذبۂ صلہ رحمی پر ہے، نہ کہ ایمان و کفر پر، اگر کافروں میں بھی یہ جذبہ پایا جائے گا تو وہ خوش حال اور مال و ثروت کے مالک ہو جائیں گے اور اگر اہل ایمان و تقویٰ اس جذبہ سے خالی ہوں گے تو ان کو معاشی تنگی و بدحالی کا سامنا ہوگا۔

دراصل نظام اجتماعی اور تمدن کی بہتری کا ذریعہ جذبۂ تعاون و امداد باہمی ہے اور صلہ

رحمی اسی جذبے کا نتیجہ ہے، اگر یہ جذبہ افراد انسان میں نہ ہوتو ان کے دنیوی خوشحالی اور وسعت مال و دولت بھی میسر نہیں ہوسکتی، اور جو دولت ثروت قطع رحم کے ذریعہ سے جمع کی جائے گی، اس کا انجام نہ صرف آخرت کی خرابی بلکہ دنیوی تباہی بھی ہوگا۔

سرکشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے کا انجام، مذموم سرمایہ داری کے نتائج

فَأَمَّا مَن طَغَى (۳۷) وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا)(۳۸ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۳۹.

''جو شخص حد سے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو(آخرت پر)مقدم کیا تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے''۔(النازعات

إِنَّ هَؤُلَاء يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءهُمْ يَوْماً ثَقِيلاً (الدھر:۲۷)

یہ لوگ (دنیا کے) جلد ملنے والے نفع سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن (روز قیامت) کو پس پشت چھوڑ بیٹھے ہیں ،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۷) (الاعلی)

بلکہ تم زندگئی دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ (۴۲:۲۰)

جو شخص دنیا کی منفعت چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دیں گے مگر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

مذموم سرمایہ داری کے کرشمے

اوراس کاانجام بد

۱) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱)الَّذِىْ جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَهُ (۲)يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۳)

ہر عیب لگانے والے چغل خور کی تباہی ہے جو مال جمع کرتا ہےاور گن گن کر رکھتا ہے اوراسے یہ خیال ہے کہ اسکامال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔

۲) كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (۱۷) وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (۱۸)وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلاً لَّمّاً(۱۹)وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبّاً جَمّاً

ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کوکھانا کھلانے کی ایک دوسرے کوترغیب دیتے ہو،اور میراث کے مال (حلال اورحرام) سب کچھ سمیٹ کرنگل جاتے ہواور مال کو بےحدعزیز رکھتے ہو۔(الماعون)

۳)إِنَّ الإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (٦)وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ (٧) وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (٨) (العاديات)

یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہےاور یقیناً خود بھی اس پر گواہ ہے اور بے شک وہ مال کاسخت حریص ہے۔

۴)يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۲۷)مَا أَغْنَى عَنِّى مَالِيَهْ (۲۸) هَلَكَ عَنِّى سُلْطَانِيَهْ (۲۹)خُذُوهُ فَغُلُّوهُ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ (۳۱)ثُمَّ فِى سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوهُ (۳۲)إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ (۳۳)وَلَا

يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الحاقه)

''اے کاش موت نے میرا کام (ہمیشہ کے لئے) تمام کر دیا ہوتا میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا (ہائے) میرا اقتدار مجھ سے جاتا رہا (پھر حکم خدا ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھوک دو پھر اسے ایک ایسی زنجیر میں جو ستر (۷۰) گز کی ہے خوب جکڑ دو (کیونکہ) یہ نہ تو عظمت والے خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا ہے''۔

۵) وَلا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِيْ الحيوٰةالدُّنيا(۵۸) (توبه)

ان کے مال اور اولاد کی (فراوانی) تمہیں تعجب میں نہ ڈالے (کیونکہ) خدا کا ارادہ تو یہ ہے کہ ان کے مال و اولاد کی بدولت انھیں عذاب میں گرفتار کرے.

۶) ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِىْ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلاً (۱۱) إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالاً وَجَحِيْماً (۱۲) (المزمل)

(اے پیغمبر) مجھے چھوڑ دو اور ان صاحب دولت جھٹلانے والوں کو (میں ان سے سمجھ لوں گا) انھیں تھوڑی سی مہلت دیدو ہمارے پاس (انکے لئے) بیڑیاں ہیں جلانے والی آگ ہے

(امر دوم) جب کوئی نظام معاشی مساوات و عدل کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا اس کے لئے یہ بھی لازم ہوگا کہ ضروریات زندگی حد اعتدال پر رکھے، اور غیر ضروری اشیاء کو لوازم زندگی میں داخل کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کرے، آج دور انقلاب میں ہمارے سامنے زندگی کی مشکلات کا اسلئے بھی ہجوم ہے ہم نے بے ضرورت اشیاء کو بھی ضروریات زندگی میں شامل کر لیا ہے اور بیدل کا یہ شعر ہمارے پیش نظر نہیں ہے

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں

انچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

جو نظام معیشت اصول عدل و مساوات پر قائم کیا جائیگا اس میں لباس ، غلام ، مسکن ،اور دیگر اسباب زندگی کی تحدید ضرور ہوگی ، وہ ہر انسان سے بے جا تعیش افراط راحت طلبی و عشرت پرستی ،فضول زینت وخود آرائے ،طفلانہ لہو ولعب سے بچنے اور زندگی کے ساز وسامان کو حد اعتدال و دائرۂ ضرورت واحتیاج تک محدود رکھنے کا مطالبہ کریگا اسلامی نظام معیشت نے بھی اس مقصد کے پیش نظر ؛اصول قناعت اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، اور افراد عیش پرستی وتن پروری کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ

۱) تو تم انھیں چھوڑ دو کہ پڑے بک بک کرتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آجائیگا جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۸۳: زخرف)

وَالَّذِينَ كفرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۱۲ محمد)

۲)اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کی زندگی کا لطف پا رہے ہیں۔اور اس طرح کھاتے (پیتے ہیں) جیسے چار پائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آخر کار) انکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اصول قناعت:

حدیث نبوی ﷺ ایاکم وفضولی المطعم ۔کھانے کے فضول تکلفات سے بچو (عدۃ الداعی: ص۲۳۶)

،حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: ان کان ما یکفیک یغنیک فادنی ما فیمایغنیک ان کان ما یکفیک لایغنیک فکل ما فیمالایغنیک..

''اگر تمہیں بقدر کفایت چیزیں زیادہ سے بے پروا کرسکتی ہیں تو دنیا کی کم سے کم چیز تمہیں کافی ہوسکے گی، اور اگر وہ مقدار جو تمہارے لئے کافی ہے تمہیں بے نیاز نہیں کرتی تو دنیا کی ساری چیزیں بھی تمہاری ہوس پوری نہیں کرسکتی'' (الکافی: ج۲، ص۱۴۰)

حریص را نہ کند نعمت دو عالم سیر
ہمیشہ آتش سوزندہ اشتہا دارد

اصول قناعت، اشتراکیت کے اس نظریئے سے مختلف نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس کے احتیاج ہی کے مطابق دینا چاہیئے، البتہ اس اصول پر عمل درآمد میں دونوں کے راستے جدا ہوجاتے ہیں، دینا چاہئے، اور لینا مناسب ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہی دونوں کے طریق کار میں نظر آتا ہے اشتراکیت جس نظریئے پر قانونی جبر وتشدد اور تلوار کے زور سے عمل درآمد کرنا چاہتی ہے اس پر نظام اسلامی رضا کارانہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور دراصل انسان کے الاقی جوہر ہر طرف اسی سمت میں نکھر سکتے ہیں۔

صرف مال میں رعایت
اصول اقتصاد و اعتدال

جس طرح تحصیل دنیا میں۔ اجمال فی الطلب. کی طرف ہدایت کی گئی ہے اسی طرح اور روزمرہ کے مصارف ومخاربہ میں بھی ''اصول اقتصاد و اعتدال'' پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے ارو اس اصول کی اہمیت مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے ظاہر ہے:

۱۔ یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَ کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلاَ تُسْرِفُوا اِنَّہُ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (الاعراف: ۳۱)

فرزندان آدم ہر نماز کے وقت (اچھے لباس سے بدن کی) آرائش کیا کرو۔ اور کھاؤ پیو (بیشک) خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

فضول خرچی کی ممانعت

۲۔وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً(٢٦) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً(٢٧)وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاء رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلاً مَّيْسُوراً(٢٨) وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً(الاعراف: ٢٩)

قرابت داروں اور محتاج اور مسافروں کو ان کا حق دیدو اور فضول ہرگز خرچ نہ کیا کرو کیونکہ فضول خرچ کرنے والے بے شبہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پالنے والوں کا بڑا کافر نعمت ہے اور اگر تمہیں اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تم کو امید ہے (مجبورا) ان (بیچاروں) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے (اپنی مجبوری) ان کو سمجھا دو اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ کر بہت تنگ کرلو (کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو) اور نہ بالکل کھولدو کہ (سب کچھ دیکر) آخر میں ملامت زدہ اور گرفتار حسرت ہو کر بیٹھ جاؤ''

وَالَّذِينَ إِذَا انفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً (الفرقان: ٦٧)

اور وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بلکہ) اب کا خرچ ان دونوں باتوں کے درمیان اوسط درجہ کا ہوا کرتا ہے۔

كُلُواْ مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُواْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ(الانعام: ١٤١)

جب یہ پھلیں تو انکا پھل کھاؤ، ان چیزوں کے سامنے کے دن خدا کا حق (جو ان میں ہے) ادا کرو اور بیجا خرچ نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسراف واقتصاد کے حدود

حدیث نبوی میں ہے:۔ ما عال من اقتصد ،جس نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا وہ محتاج نہیں ہوتا:(سفینۃ البحار:ج:۲ ص۴۳۱)

مجمع البیان میں حضرت کا ارشاد ہے:۔من عطی من غیر حق فقد اسرف ومن منع من حق فقد قتر. جس نے ناحق دیا اس نے اسراف کیا اور جس نے کوئی حق روکا اس نے تنگی کی:

اقتصاد اور اسراف

اقتصاد اور اسراف کے حدود کی پوری توضیح امام جعفر صادقؑ نے مندرجہ ذیل حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

عن الصادقؑ قال اتری الله اعطیٰ من اعطیٰ من کرامته علیه و منع من منع هو ان به علیه لا ولکن المال مال الله یضعه عند الرجل و دائع و جوز لهم ان یاکلوا قصدا ویشربوا قصدا ویلبسوا قصدا وینکحوا قصدا ویرکبوا قصدا ویعودوا بما سوی ذلک علی الفقراء المومنین ویلموا به شعثهم فمن فعل ذلک کان ما یاکل حلالا و ئشرب حلالا و یرکب حلالا وینکح حلالا وما عدا ذلک کان حراماثم قال ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین اتری الله ائتمن رجلا علی مال خول له ان یشری فوسا بعشرة الاف درهم یجزیه فرس بعشرین درهما . الخ

جناب صادقؑ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا جسے نعمت دنیا دیتا ہے تو اس لئے دیتاہیکہ اس کی عزت اس کی نگاہ میں ہے اور جسے نہیں دیتا اس وجہ سے کہ وہ اس کی نظر میں

ذلیل ہے؟ ایسا نہیں ہے مال و دولت خدا کی ملکیت ہے وہ آدمیوں کے پاس بطور امانت رکھتا ہے اور اس کی اجازت دیتا ہے کہ اس سے اپنے لئے کھانے پینے پہننے کا سامان مہیا کریں، شادی بیاہ کریں اور سواری کے سامان خریدیں، مگر ان تمام باتوں میں اقتصاد و اعتدال کا لحاظ رکھیں۔ اور جو مال اس کے بعد اس سے بے ایمان محتاجوں کی مدد کریں، اور اس کی پریشان حالی دفع کریں جو آدمی کا یہ طرز عمل ہوگا اس کا کھانا پینا گھوڑے خریدنا، نکاح کرنا حلال ہوگا، اور اس کے ماوراء حرام ٹھہرے گا، پھر حضرت نے فرمایا تم لوگ فضول خرچی نہ کرو، خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جسکو خدا نے اپنے مال کا امانتدار بنایا ہے اس پر یہ تفضّل اس واسطہ فرمایا ہے کہ وہ گھوڑا بیس ہزار درہم پر خریدے، حالانکہ اس کے واسطے بیس درہم قیمت کا گھوڑا کافی ہوسکتا ہے

نیز حضرتؑ نے فرمایا:۔ انما الاسراف فیما اتلف المالواضر بالبدن :.

(تفسیر صافی: ج:۲ ص۱۹۰)

اسراف فقط ان باتوں میں ہوتا ہے جن سے مال فضول تلف ہوتا ہے اور بدن کے لئے مضر ہو

اسحاق بن عمار راوی ہیں:۔ قلت لا بی عبد اللہ یکون المومن عشرة اقمصه قال نعم قلت عشرون قال نعم قلت ثلاثون قال نعم لیس ھذا من السرف انما السرف ان تجعل ثوب صونک بذلک (الکافی: ج۶، ص۴۴۲)

میں نے حضرت ابوعبداللہ جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ کیا مومن دس (۱۰) قمیصیں رکھ سکتا ہے فرمایا. ہاں. میں نے عرض کی کیا بیس (۲۰) قمیصیں بھی "فرمایا. ہاں." پھر میں نے تیس (۳۰) قمیصوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ ہاں اس کا نام اسراف نہیں ہے اسراف یہ ہیکہ عزت کے خاص مواقع پر پہننے کے کپڑوں کو روزمرہ کا لباس بنادو:۔

زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ

زندگی کے مسائل میں اکتساب وسائل معیشت ہی اہم مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سوال اس سے کم اہم نہیں رکھتا کہ اقتصادی نقطہ نظر سے زندگی کا کون سا معیار بہتر ہے؟ آیا نعمت دنیا سے جی بھر کر حیوانوں کی طرح سامان اٹھانا چاہئے اور فلسفہ زندگی کا مسلک زیستن برائے خوردن قرار دینا چاہیئے یا خدا کے بے شمار عطیات ونعمات سے ہمہ تن بیزار و دست کش ہونا چاہئے؟ آغاز مضمون میں ہم نے گذارش کی ہے کہ یہ دونوں طریقے خلاف فطرت اور باعث فساد عالم ہیں اور دونوں افراط وتفریط کی طرف لیجاتے ہیں جس کا انجام یہ ہے کہ تمدن اور معاشرت کی حالت ابتر ہو جائے، یا قدرت کے ذخیرے، فطرت کے خزانے، خدا کی نعمتیں اور انسانی قوتیں یوں ہی بیکار ضایع اور لا حاصل ہو جائے ان دونوں خلاف اعتدال طریقوں کے درمیان ایک اور طریقہ بھی ہے اور اس کا خلاصہ دو جملوں میں یہ ہیکہ "دنیا کی لذتوں کا لطف اٹھاؤ اور پھر نفس کی خواہش پر قابو رکھو:۔ اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے یہی زندگی کا سب سے زیادہ کامیاب اور قابل عمل طریقہ ہے دنیا کی نعمات ولذات سے لطف اندوز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور زندگی کے معاشی معیار کا مناسب درجہ تک بلند ہونا منشاء فطرت ہے اور شکر نعمات الٰہیہ کا بہترین طریقہ بھی مناسب درجہ اقتصادی نظر سے یہ ہے کہ معیار زندگی کی بلندی' تن پروری اور عیش پرستی وفضول وعشرت طلبی کی حد تک پہونچکر زندگی کے دوسرے اعلیٰ مقاصد کو دل سے محو نہ کردے باعث فساد اخلاق وخرابئ صحت جسمانی نہ ہو۔ اور زندگی کے تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے حسب مراتب رفع ہونے میں خلل انداز نہ ہو۔

سورۂ اعراف کی آیت منقولہ بالا میں جہاں اسراف سے روکا گیا ہے وہاں اسراف کے ساتھ ہی بدون فاصلہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اس سے مقصود مناسب معیار زندگی کو پست کرنا نہیں ہے فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۳۲)

(اے پیغمبرؐ) ان سے کہدو خدا نے زینت کے جو سامان اور کھانے کی جو پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کرنے والا کون ہے؟

حاصل کلام ربانی یہ ہے کہ زینت کے ساز و سامان اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں خدا ہی کا عطیہ ہیں اس نے ان کو بندوں کے لئے پیدا کیا ہے پھر ان کو حرام کرنے والا کون ہے ؟ اس سے تو ان کی خلقت کی غرض و غایت ختم ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ ان کی پیدائش کو حکمت و مصلحت سے خالی ٹھہرانا ہے کس طرح ممکن ہے کہ خدا ان کو اپنے بندوں کے فائدہ کی غرض سے پیدا کرے پھر اس کے جائز استعمال سے منع کرے۔؟ زندگی کے اعلیٰ معیار کو پائدار و برقرار رکھنے کیلئے خرچ میں اعتدال و اقتصاد کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، نیز مقصد شرع یہ بھی ہیکہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے اس طرح کچھ مال پس انداز بھی کیا جائے۔

بسب امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:۔ لا خیر فی من لا یحب جمع المال ۔''جو آدمی مال جمع کرنا پسند نہیں کرتا اس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔(الکافی: ج ۵، ص ۷۲)

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے۔قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح کے عہد سے لیکر زمانہ خاتم النبیینؐ تک کتنے ہی انقلاب دنیا میں گذرے مگر اس ذہنیت اور اس کے فاسد نتائج کبر و غرور، فخر و نخوت، قبول حق سے نفرت، باطل سے رغبت میں کوئی تغیر نہ ہوا اور طوفان نوح بھی ان کو ہمیشہ کے لئے غرق کرنے سے عاجز رہ گیا، جن نفوس امارہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پرورش ہوتی ہے ان کے نزدیک انسانیت اسکا کمال مادی اسباب ہی میں منحصر ہوا کرتا ہے۔

ان کی غلط بین نگاہوں میں انسان اور کامل انسان وہ ہوسکتا ہے جس کے پاس زروجواہر کی کثرت ۔مال واسباب حشم وخدم کی فراوانی ۔زخارف دنیوی وسامان معیشت کی افراط ہو،ان کی پرواز تخیل مادیت کی فضا سے باہر نہیں ہوسکتی،وہ دولت ومال کے خزائن عامرہ ۔اطلس وزربفت کے ملبوسات فاخرہ ،سر بفلک عمارتوں اور پر تکلف غذاؤں ہی کو معیار انسانیت اورمعراج کمال انسانی سمجھتے ہیں۔

اورمعیارشرافت ومدارعزت ان کے نزدیک مادی چیزوں میں منحصر ہوتا ہےاس قسم کی ذہنیت رکھنے والے الہیٰ منصب دارون اورانسانیت کے سچے نمائندوں،عالم بشریت ے مخلص مربین کی حقانیت ۔سطائی اورخلوص تسلیم کرنے سے محض اسی بناپرانکارکرتے تھے کہ ان کے پاس مالی وسعت اور دنیوی دولت وثروت کی فراوانی نظرنہیں آتی ،سونے کے کنگن ،ور موتیوں کے ہاراورملبوسات فاخرہ سے آراستہ نہیں نہیں انکی پیروی کرنیوالے ان پرایمان لاے والےغریب مزدور۔مفلس وبے مایہ عوام ہیں جناب نوح کی ناصحانہ تبلیغ سرمایہ دارطبقہ میں اسی لئے بے اثر رہی کہ آپ کے ماننے والےاوراطاعت کرنے والے انکے نزدیک اراذل یعنی مزدورپیشہ عوام تھے۔

أَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْأَرْذَلُون(شعراء: ۱۱۱)

فَقَالَ الْمَلأُ الَّذِینَ کَفَرُواْ مِن قِوْمِهِ مَا نَرَاکَ إِلاَّ بَشَراً مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاکَ اتَّبَعَکَ إِلاَّ الَّذِینَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّأْیِ (هود: ۲۷)

تمہاری پیروی کرنے والے تو پست طبقے کے لوگ (مزدوروغیرہ) ہیں پھر ہم تم پر کیا ایمان لائیں قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنا ہی سا آدمی دیکھتے ہیں اورہمیں یہی نظر آتا ہے تمہارے پیرو ہماری قوم کے بس چند رذیل لوگ ہیں (جو بغیر سوچے سمجھے تمہارے ماننے والے بن گئے ہیں) سرسری نظر میں ان کے قبول ایمان کی شرط یہ تھی کہ غریب طبقے کے

لوگوں کو اپنے گردو پیش سے ہٹادیں

جس کا جواب یہ ملا:

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۴) إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (شعراء: ۱۱۵)

میں تو ایمانداروں کو اپنے پاس سے نکالنے والا نہیں ہوں (ایمان لانے نہ لانے کا تمہیں اختیار ہے) میں تو صرف (عذاب خدا سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

وَيَا قَوْمِ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاً إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّهِ وَمَا أَنَاْ بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّهُم مُّلاقُو رَبِّهِمْ وَلَكِنِّيَ أَرَاكُمْ قَوْماً تَجْهَلُونَ(هود: ۲۹)

اے میری قوم: میں اس کے بدلے میں تم سے مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو خدا ہی پر ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نکال نہیں سکتا وہ یقیناً اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں میں تو یہ دیکھتا ہو کہ تم ہی لوگ جہالت و نادانی میں مبتلا ہو جناب موسی کی نبوت ورسالت تسلیم کرنے سے روکنے والی سرمایہ دارانہ ذہنیت، قرآن مجید کے مطابق یہ تھی کہ۔

ونادى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الانهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِيَ أَفَلا تُبْصِرُونَ (۵۱)أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلا يَكَادُ يبِين (۵۲)فَلَوْلا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاء مَعَهُ الْمَلائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ (الزخرف: ۵۳)

فرعون نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا کہ اے میری قوم: کیا ملک مصر میرا نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (شاہی محل کے) نیچے بہتی ہیں

(میری نہیں) کیا تم نہیں (دیکھتے ہو کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل آدمی ہے صاف گفتگو بھی نہیں کرسکتا (اگر یہ خدا کا بھیجا پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ

اتارے گئے یا اس ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے؟

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :۔ جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس آئے بالوں کا لباس پہنے اور عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے ۔انھوں نے فرعون سے وعدہ کیا کہ اگر اسلام قبول کر لیگا تو اس کا ملک باقی اور اعزاز برقرار اکھا جائیگا فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا کہ تم لوگ ان دونوں کی باتوں پر تعجب نہیں ہوئے یہ لوگ مجھ سے بقاء ملک وعزت کا وعدہ کررہے ہیں، حالانکہ خود انکی فقیری وزلت کی حالت ہے ․․ تمہارے پیش نگاہ ہے ان کو خدا کی طرف سے سونے کے کنگن کیوں نہیں ملے ،فرعون نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ سونے کی اور اس کے جمع کرنے کی عظمت اسکی نگاہ میں تھی اور لباس صوف کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔(نہج البلاغہ: خ:۱۹۲)

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے انکار

عہد طالوت کے سرمادارو ں کو ان کی بادشاہی تسلیم کرنے سے اسی بنا پر انکار تھا کہ ان کے پاس مال ودولت کی فراوانی نہیں تھی ،انیٰ یکون له الملک علیناو نحن احق بالملک منه و لم یوت سعة من المال.(الفقرہ: ۲۴۷)

وہ لوگ کہنے لگے کہ اس کی حکومت ہم پر کیونکہ ہوسکتی ہے حالانکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں مالی فراوانی اسکو نصیب نہیں۔

ہر پیغمبر کی نبوت ماننے سے اسکے زمانہ کے امیروں نے انکار کیا

وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ

كَافِرُونَ (٣٤)وَقَالُوا نَحنُ أَكثَرُ أَموَالاً وَأَولَاداً وَمَا نَحنُ بِمُعَذَّبِينَ (سباء: ٣٥)

ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں بڑے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم توان احکام کے کبھی ماننے والے نہیں جنہیں دے کر بھیجے گئے ہو اور انھوں نے یہ کہا کہ ہم تو مال واولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم عذاب میں ڈالے جانے والے نہیں۔

عہد رسالتمآبؐ کے سرمایہ داروں کی مغرور ذہنیت

حضرت رسالتمآبؐ کے عہد میں یہ فاسد وجاہلانہ ذہنیت کمال عروج پر پہونچی ہوئی تھی۔ایک طرف تو ساری قوم میں نسلی وطبقاتی مفاخرات ومنافرت کا مرض عام تھا دوسری طرف اس مفلس وفلاکت زدہ قوم میں جن لوگوں کو سرداری وسرمایہ داری نصیب تھی انکے سر پر غرور کبر و نخوت بخر وتمکنت کے بھوت سوار تھے،عَبَسَ وَتَوَلَّى (١) أَن جَاءَهُ الأَعمَى (٢)وَمَا يُدرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى (٣)أَو يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكرَى (عبس: ۴)

)مالدار اپنی بات پر چین بر جبین ہوگیا اور روگرداں ہو بیٹھا کہ اس کے پاس ایک مرد نابینا آ گیا، تم کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت سنتا۔اور وہ اس کے لئے سود مند ہوتی:۔

نیز ارشاد خداوندی ہے: وَذَرنِي وَالمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعمَةِ وَمَهِّلهُم قَلِيلاً (١١)

اور مجھے ان دولت مند جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی مہلت دیدو:.

غربت اافلاس کی ماری عوام سوسائٹی بھی اپنی ذلت وحقارت کی بنا پر مال ودولت ہی کو وجہ شرافت وعزت سمجھنے لگی ،اسی لئے کہتی تھی ،لَولَا نُزِّلَ هَذَا القُرآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ

الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (۳۱)

آخر یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا نظام اسلام نے ہزاروں برس کی قائم شدہ سرمایہ دار ذہنیت کے مفاسد سے دنیا کو بچانے کی سب سے زیادہ موثر تدبیر کی طرف دلیرانہ قدم بڑھایا، مال و دولت استغناء سرمایہ داری کو معیار عزت و شرافت نہیں رکھا اور اعلان عام کردیا کہ زر و جواہر کے خزانے اس کی نظر میں بحیثیت معیار عز و شرف درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں، تمام بنی آدم اصل خلقت میں برابر ہیں، خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ(٦) خدا نے تم سب کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔

الناس من جهة التمثال اكفاء

ابوهم آدم والام حواء

عز و شرف و کرامت کا مدار ایمان، اچھے اعمال اور پرہیز گاری ہے،

۱۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ(٨) (المنافقون)

عزت تو خدا اور رسول اور ایمانداروں ہی کے لئے ہے،

۲۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۱۳)(الحجرات)

تم میں سب سے زیادہ با کرامت و باعزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

۳۔ حدیث قدسی میں ہے:۔ ليس الشريف الا من شرفته طاعتی شرف والا بس وہی شخص ہے جسے میری بندگی نے شرف بخشا، المسلمون اخوة تسافو دماء هم، مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انکے خون کی قیمت برابر ہے۔

(اصول الکافی: ج۱، ص۴۰۴)

زبان ووطن کوانسانی شرافت وکرامت میں دخل نہیں
وجہ شرافت ومدار کرامت تقویٰ ہے

جناب رسالتمآب نے فرمایا۔ ایھا الناس ان العربیہ لیست باب والد وانما ھو لسان ناطق فمن تکلم بہ فھو عربی الا انکم ولد آدم و آدم من تراب و اکرمکم عند اللہ اتقاکم.

لوگو :عربی کا مدار باپ نہیں ہے جو وسیلہ پیدائش ہوتا ہے۔ یہ تو ایک زبان ہے جو بولی جاتی ہے، جوشخص یہ زبان بولتا ہے وہی عربی ہے (قومیت کا مدار زبان عربی نہیں ہے) تم سب آدم کے بیٹے ہواور آدم کی اصل خاک ہے،تم میں زیادہ کرامت وعزت والا وہ آدمی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔(تفسیر صافی: ج۲ ص۹۴)

نیز آنحضرت کا یہ ارشاد اس باب میں اسلام کے اصول ونظریات کواور واضح کرتا ہے

لا- ــ القرشی ولا عربی الا بتواضع ولا کرم الا بتقوی ولا عمل الا بینۃ ولا عبادۃ الا بعففہ (مستدرک الوسائل: ج ۱ ص۸۸)

ی مرد قریش اور عربی کے واسطے شرف وعزت نہیں مگر تواضع کی وجہ سے اور کرامت نہیں ہے مگر تقوی کی بدولت، اور مدار عمل بس نیت ہے اور عبادت بس وہی عبادت ہے جو علم وفہم سے ہو۔

اس اصول مساوات کی بنا پر اسلامی قوانین کی نظر میں سلطان اور خاک کہ روب دونوں بحیثیت انسانیت برابر ہیں ۔دونوں کے خون کا درجہ مساوی ہے۔سلطنت وحکومت کے جاہ وجلال اور ذخائر متاع ومال سے کسی بادشاہ کو ایک غریب مزدور پر قدر و قیمت میں امتیاز وتفوق حاصل نہیں ہوتا۔

مفلسوں اور غریبوں کی اخلاق حالات بلند رکھنے والے ہدایات

غریب و بے مایہ عوام کی ذہنیت اور اخلاقی حالت کو بلند کرنے کے لئے یہ ہدایات دیئے گئے، حدیث نبویؐ میں ہ: لعن اللہ من اکرم الغنی لغناہ ولا یفعل ذلک الامنافق، لعن اللہ من اھان الفقیر لفقرہ فمن اکرم الغنی لغناہ سمی فی السماوات عدو اللہ وعدو الانبیاء ولا یسیجاب لہ دعوۃ ولا یقضی لہ حاجۃ

(ارشاد القلوب: ج ۱ ص ۳۶۴)

خدا لعنت کرے اس آدمی پر جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محض اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے، خدا لعنت کرے اس آدمی پر جو کسی فقیر کی اہانت اس کے فقر کے بنا پر کرے اور سوائے منافق کے کوئی اور نہیں کرسکتا، جو کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محض اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے تو وہ آسمانوں میں دشمن خدا دشمن انبیاءؑ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اور نہ اس کی دعا بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی حاجت روائی کی جاتی ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ما احسن تواضع الغنی للفقیر رغبۃ فی ثواب اللہ. احسن منہ تیہ الفقیر علی الغنی باللہ و توکلا لیہ، (نہج البلاغہ: کلمات قصار ۴۰۶)

مالدار کا فقیر سے جھک کہ ملنا ثواب خدا کی رغبت میں بہت خوب ہے اور خدا کے بھروسہ پر فقیر کا غنی کے سامنے خودداری دکھانا اس سے خوب تر ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے: ۔من عظم صاحب دنیا و احبہ بطمع دنیاہ حظ اللہ علیہ

جو شخص کسی صاحب دنیا کی تعظیم اور اس سے محبت اس کی دنیا کی لالچ میں کرتا ہے خدا

اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ (بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۳۲۸)

مروی ہے:۔سال این اللہ فقال عند المنکسرۃ قلوبھم.

حضرت رسالتمآب سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ تو فرمایا ان لوگوں کے پاس جو شکستہ دل۔ ہیں (بحارالانوار: ج ۷۳، ص ۳۲۸)

ارشاد علوی، عوام کی رضا مندی خواص کی خوشنودی پر مقدم ہے

جناب امیر المومنیں علیہ السلام کا مفصل فرمان مالک اشتر کے نام نہج البلاغہ میں منقول ہے، اس کے چند اقتباسات مناسب مقام یہ ہیں، ان سخط العامة یجحف برضی الخاصة و ان سخط الخاصة یغتفر مع رضا العامة، عوام کی ناراضی خواص کی رضا مندی کو بے اثر بنا دیتی ہے، اور عوام کی رضا مندی کے ساتھ خواص کی ناراضی نا قابل التفات ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ: خط ۵۳)

گذشتہ زمانوں کا ذکر نہیں ہے آج بھی دنیا میں جہاں نظام سرمایہ داری چل رہا ہے ں کے ارباب حکومت کی نگاہیں سرمایہ داری ہی کی رضا جوئی پر لگی رہتی ہے۔ رضا مندئی عوام ھیں پروانہیں ہوتی۔ کیونکہ دولت مند اور مالدار طبقے ہی کا اثر ان پر غالب ہوتا ہے اس کا انجام بد ہماری آنکھوں کے سامنے ہے غریب و بے چارہ عوام بیدار ہو چکے ہیں احساس خودی انکے دلوں میں تڑپنے لگا ہے قوت ضبط و نظم کی بھی کمی نہیں ہے سرمایہ داری کے خلاف منظّم صف آرائی ہو رہی ہے، اور طرفین کی اس کشمکش کی بدولت رفتہ رفتہ دنیا امن وسکون کی نعمت سے محروم ہوتی جاتی ہے، اگر حکومتیں،

جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اس حکمت عملی پر چلتیں تو سرمایہ داری و بے مائیگی کی موجودہ کشمکش امن سوز عالم نہ بن سکتی: انما عماد الدین و جماع المسلمین

والعدة للاعداء العامة من الامة فلیکن صغوک لهم ومیلک معهم، وہ فقد عوام الناس ہی ہیں جو دین کے ستون اور نظام مسلمین کا دارومدار ہوتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں فوج کا کام دیتے ہیں ۔لہذا تمہارا رجحان خاطر اور میل قلب صرف انھیں کی طرف ہونا چاہئے ۔(نہج البلاغہ: خط۵۳)

رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام وہدایات، سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں، شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں۔

غریبوں کی ذہنیت وخیال کو بلند رکھنے اور مفلس کی کلفت سے بچانے کے واسطے حکومت الٰہیہ وسلطنت ربانیہ کے نمائندے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں ۔معیار معیشت ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر رکھیں نہ امیرانہ وجاہ وجلال نہ سرمایہ دارانہ تمکنت ،نہ شاہانہ شان وشوکت ، نہ حاکمانہ ورئیسانہ طرز زندگی ۔بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ ،، مسکین جالس مسکینا ،، پر چلنے والے۔

آداب شاہانہ کی ممانعت

حضرت ابوذر ناقل ہیں: رائت سلمان و بلالا یقبلان الی النبی اذا سلمان علی قدم رسول اللهﷺ یقبلها فزجر النبیﷺ عن ذلک ثم قال له یا سلمان لا تصنع بی ما یصنع العاجم بملوکها انا عبد من عبیدالله اکل مما یاکل العبد واقعد کما یقعد العبد. (سفینۃ البحار: ج:۳ ص۳۹۲)

میں نے دیکھا کہ سلمان و بلال خدمت نبی میں حاضر ہوئے، سلمان جھکے اور قدم مبارک چومنے لگے، اس پر حضرت نے انہیں زجر فرمایا اور کہا کہ اے سلمان ہمارے لئے اس قسم کے تعظیمی برتاؤ نہ کیا کرو، اہل عجم اپنے بادشاہوں کیلئے کرتے ہیں، میں خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، غلاموں کی غذا میری غذا ہے اور غلاموں ہی کی طرح سے میرا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

آنحضرت کے سیر و آداب کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **خمس لا ادعهن حتی الممات الاکل علیٰ الحضیض مع العبید، ورکوبی الحمارموکبا وحلبنی العنز ببدی، لبس الصوف والتسلیم علی الصبیان لتکون سنةمن بعدی.**

میں پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا۔ غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھکر کھانا ۔اور دنبیوں کو اپنے ہاتھ سے دوہنا، بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تا کہ یہ بات میرے بعد عام سنت بن جائے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۲ ص ۵۴)

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: **ان اللہ جعلنی اماما لخلقه ففرض علی التقدیر فی نفسی ومطعی و مشربی وملبسی کضعفاء الناس کی یقتدی الفقیر بفقری لا یطغی الغنی بغناه** ، خداوند عالم مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرص لردی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے پہننے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غریبوں کی طرح ہو جائے تا کہ فقراء میرے فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں ۔اغنیاء اپنے مالداری کی بل بوتے پر سرکش نہ بن سکیں۔،، (الکافی: ج۱،ص۴۱۰)

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرمایا ہے۔

در حاصل یہ ہے کہ اپنے امامؑ کو دیکھیں گے کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری و مفلسی پر رضامند ہو جائے گا اسی طرح سرمایہ دار جب انکو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا

تو اس کی سرمایہ داری اس کی سرکشی پر مائل نہ کر سکے گی۔ اور وہ یہ جانے گا اگر مال داری میں خیر وخوبی ہوتی تو امام اس کے لئے اولیٰ ہوتے اور اس خیر وخوبی کو نہ چھوڑتے۔

حکومت الٰہیہ کے نمایندوں کے مخصوص فرائض

فقال عاصم یا امیر المومنینؑ فعلی ما اقتصرت فی مطعمک علی الجشوبة وفی ملبسک علی الخشونة؟ فقال ویحک ان الله عزوجل فرض علی الائمة العدل ان یقدروا انفسهم بضعفة الناس کیلا یبتیغ بالفقیر فقره

ایک طویل روایت میں ہے: عاصم نے عرض کی اے امیر المومنینؑ: پھر کس وجہ سے آپ نے بدمزہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے؟

تو فرمایا وائے ہو تجھ پر کہ خدا نے ائمہ عدل پر یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ طریقہ زندگی کو ضعیف المال غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ فقیروں کو انکا فقر ہلاکت نہ کردے۔

علامہ مجلسی نے اس کلام امام کی شرح میں فرماتے ہیں: **یجب علی الامام العادل ان یشبه نفسه فی لباسه وطعامه بضعفة الناس کیلا یهلک الفقراء من الناس فانهم اذا رائوا امامهم بتلک الهیة وذالک المطعم کان ادعی لهم الی سلوان لذات الدنیا الصبر عن شهواتها.** یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس وغذا میں ضعیف المال غریبوں کے مشابہ بنائیں تاکہ اہل فقر ہلاک نہ ہوں۔ جبکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کا امام انھیں کی ہیئت وصورت میں رہتے اور انھیں کے ایسے کھانا کھاتے ہیں تو یہ بات لذات دنیا سے محرومی پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی، اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے کا داعی اور ذریعہ۔،، (شرح نہج البلاغہ: خ:۲۰۲)

حاکم بصرہ کے نام
جناب امیر کا ایک پرزور فرمان
اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و چشم نمائی

یا ابن حنیف فقد بلغنی ان رجلا من فتیة اهل البصرة دعاک الی ما دبة فاسرت الیها تستطاب لک الا لو ان و تنقل الیک الجفان وما ظننت انک تجیب الی طعام قوم ،عائلهم مجفو و غنیهم مدعوا: (نہج البلاغہ: خط ۴۵)

حضرت امیر المومنینؑ نے حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر فرمایا:۔ اے ابن حنیف مجھے خبر ملی ہے بصرہ کے حوصلہ مندوں نے تمہیں ایک دعوت میں بلایا اور تم جھٹ پٹ وہاں پہونچ گئے طرح طرح کے نفیس کھانے تمہارے سامنے چنے جاتے تھے اور پیالے تمہاری طرف بڑھائے جارہے تھے حالانکہ مجھے تو یہ خیال نہ تھا کہ تم اس قوم کی دعوت قبول کرلو گے جن کے محتاجوں کو دسترخوان سے دور نکال دیا جاتا ہے اور اغنیاء کی ضیافت کی جاتی ہے۔

میرے لئے سیر ہو کر سونا مناسب نہیں
جبکہ ملک میں بھوکے پیٹ اور جلتے کلیجے موجود ہیں

اس فرمان کا آخری حصہ یہ ہے: ولو شئت لاهتدیت الطریق الی مصفیٰ هذا العسل، لباب هذا القمح، وتسائج هذا القز و لکن هیهات ان یغلبنی هوا ی ویقودنی جشعیع الیٰ تخیر الاطعمة،لعل نالحجاز اوبالیمامة من لا طمع له فی القرص ولا عهد له بالشبع، او ابیت مبطاناوهولی بطون غرثی واکباحری او کون کما قال القائل و حسبک داء ان تبیت ببطنة وحولک اکباد تحن الی القد، أ اقنع من نفسی بان یقال امیر المومنینؑ ولا اشارکهم فی

مکارہ الدھر او اکون اسوۃ لھم فی جشوبۃ العیش. (نہج البلاغہ: خط ۴۵)

اگر چاہتا تو میں بھی شہد مصفیٰ اور گندم خالص اور جامہ ہائے ریشمین کی طرف راہ پا سکتا تھا لیکن افسوس کا مقام ہوگا کہ میری خواہش نفس مجھ پر غالب آجائے اور حرص مجھے عمدہ کھانے پسند کرنے کی طرف کھینچ لے جائے، درآنحالیکہ حجاز و یمامہ میں ایسے غریب لوگ موجود ہیں جن کو ایک روٹی کی بھی آس نہ ہو، اور وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پیٹ بھرنا کسے کہتے ہیں۔ کیا میں پیٹ بھی کر سوؤں جبکہ بھوکے پیٹ اور جلتے جگر میرے پاس موجود ہوں؟ کیا میں ویسا بن جاؤں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے یہی بیماری تمہارے واسطے کافی ہے کہ تم پیٹ بھرے راتوں کو سوؤ، درآنحالیکہ گردو پیش ایسے جگر موجود ہوں جو ایک ایک ٹکڑے گوشت کے لئے آرزومند و نالہ کش ہوں، کیا میں اپنے نفس کے لئے بس اس بات پر قناعت کرلوں کہ لوگ مجھے امیر المومنینؑ کہیں اور زمانے کی سختیوں میں انکا شریک حال اور زندگی کی بے مزگی میں ان کے لئے لائق پیروی پیشوا نہ بنوں۔

حضرت امیرؑ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنوایا نہ کسی کو کوئی جاگیر دی

کان فی زمان خلافتہ الظاھریۃ خمس سنین و فی خبر الاثلاثۃ اشھر وفی ھذہ المدۃ ما وضع اجرۃ علی اجرۃ ولا لبنۃ علی لبنۃ ولا اقطع قطیعۃ و کان قد رفع جبنہ عند الخیاط و رضع فیھا سبعین رقعۃ حتی قال واللہ لقد رقعت مدرعتی ھذہ حتی استحیت من راقعھا ان. (نہج البلاغہ: خ ۱۶۰)

حضرت علی بن ابیطالب کا زمانہ خلافت ظاہری پانچ سال تا بعض روایات کی بنا پر اس سے بھی تین مہینہ کم، مگر اس میں آپ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی نہ کوئی جاگیر عطا کی۔ درزی سے اپنے جبے میں پیوند سلواتے تھے۔ اور ستر پیوند اس میں ہو سکے تھے تب خود فرمایا کہ

مجھے درزی سے اب یہ کہتے شرم آتی ہے کہ ابھی اور پیوند لگائے۔

حضرت امیر المومنینؑ کا سادہ سے سادہ طرز زندگی

کان علی یاکل اکله العبد و یجلس جلسة العبد و یاکل علی الحضیض وینام علی الحضیض و کان یحتطب و یسقی ویکنس.

حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح کھاتے تھے غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے زمین پر کھاتے تھے اور زمین ہی پر سوتے تھے خود اپنے ہاتھ سے لکڑیاں لاتے پانی بھرتے گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ (الکافی: ج ۶ ص ۲۷۱)

شاہانہ تعظیم وجلال کی شدید ترین مخالفت ذلت پسندی کی ذہنیت و غلامانہ رسوم کا سد باب

و قال علیه السلام و قد لقیه عند مسیره الی الشام دهاقین الانبار فترجلوا له و اشتدوا بین یدیه: ما هذا الذی صنعتموه؟ فقالوا: خلق منا نعظم به امراء نا: فقال علیه السلام واللہ ما ینتفع به امراؤکم وانکم لتشقون به علی انفسکم فی دنیا کم وتشقون به فی آخرتکم وما اخسر المشقة وراها العقاب واربح الدعة معها الامان من النار. (نہج البلاغہ: کلمات قصار ۳۷)

نہج البلاغہ میں منقول ہے: اثناء سفر شام انبار کے کچھ زمیندار آکر ملے جب سامنے آئے تو تعظیم کے لئے سواریوں سے اتر کر پیدل جلوس میں دوڑتے ہوئے چلے، یہ دیکھکر حضرت نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کیوں پاپیادہ اس طرح چلنے لگے؟ انھوں نے عرض کی

ہماری خصلت ہی یہی ہے، ہم اپنے امراء کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، یہ سنکر حضرت نے فرمایا ۔تمہاری اس حرکت سے تمہارے امیروں کو فائدہ نہیں پہونچتا، اور تم اس عادت کی وجہ سے دنیا میں اپنی جانوں کو ناحق تکلیف میں ڈالے ہو، اور آخرت میں بدنصیب قرار پاتے ہو۔ اور وہ مشقت جسمانی کتنی نقصان دہ ہے جس کا انجام عذاب آخرت ہو، اور وہ بدنی راحت کتنی سودمند ہے جس کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بھی امان نصیب ہو۔

شارحین نہج البلاغہ علامہ ابن حدید اور علامہ ابن میثم نے اس کلام کی شرح میں فرمایا کہ مقصود کلام جناب امیرؑ اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ غیر خدا کے سامنے جھکنا اور خضوع کرنا سودمند ہے، غیر خدا کی ایسی تعظیم جو صرف سزاوار خدا ہو جائز نہیں۔

اسلامی تعلیمات کا ردعمل مسلمانوں کی طرف سے
حضرت رسالتمآبؐ کی چند پیشنگوئیاں جو واقع ہو چکیں

حکومت اور عامۃ الناس کی نظروں میں زر و مال کا معیار عزت و شرف و شرافت ہونا ہی دولت طلبی و جمع مال و متاع کی ہوس پیدا کرتا ہے اور مستحق اعزاز و اکرام ہونے کی خواہش ہی ذخائر دولت فراہم کرنے کی رغبت دیتی ہے، جب یہ بات نہ رہی تو حب مال و متاع کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ اگر اسلام کا یہ نظریہ دنیا میں قائم رہ جاتا اور اس کے مال و متاع کی قدر و وقعت افراد انسانی کی نگاہ میں گھٹانے کی اس عملی تدبیر کا خود مسلمان ہی کی طرف سے ردعمل نہ ہوتا تو سرمایہ داری کی فاسد ذہنیت اور اس کے برے ثمرات و نتائج کا عالم سے خاتمہ ہو جاتا، افسوس ہیکہ مسلمانوں کے بدلے ہوئے نشریات نے حضرت رسالتؐ پناہ کی ان اخبار غیب کے اک اک حرف کی سچائی بہت جلد ظاہر کردی، اور عالم اسلامی اسی بلا میں گرفتار ہو گیا جس سے نجات دلانا اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

۱ .عن رسول اللہؐ انه قال اذا افتحت عليكم فارس والروم اى قوم انتم .قال عبد الرحمٰن بن عوف نكون كما امرنا الله قال رسول الله او غير ذلك تتنافسون ثم تتحاسدون ثم تتدابرون ثم تتباغضون اولخو ذلك ثم تنطلقون في مساكين المهاجرين فتجعلون بعضهم على رقاب بعض.

مروی ہے کہ آنخضرت نے صحابی سے فرمایا کہ جب فارس وروم کی فتح تمہیں نصیب ہوگی تو اس وقت تم کس طرح کے لوگ ہوگے؟ عبدالرحمان بن عوف بولے کہ ہم ویسے ہی رہیں گے جیسا کہ حکم الٰہی ہے، آنخضرت نے فرمایا نہیں تمہارا حال اس کے خلاف ہوگا۔تم دنیا کی طرف بے حد راغب ہوگے، پھر باہم حد کروگے پھر تم باہمی تعلقات قطع کردوگے، پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے پھر محتاج وغریب مہاجرین کی طرف چلوگے اور بعض کو بعض کی گردن پر سوار کردوگے۔(مسلم کتاب الزھد) حدیث کے آخری جملے "ثم تنطلقون" الخ ، کے متعلق (حاشیہ سنن ابن ماجہ ۲۹۷) میں ہے

لا يحيكم هذه الصفات حتى تاخذون حقوق مساكين المهاجرين ولا يبقىٰ لهم ما يرحلون به . انھیں صفتوں پر اکتفانہ ہوگی، بلکہ یہاں تک نوبت پہونچے گی کہ مسلین وریب مہاجرین کے حقوق پر قبضہ کرلوگے ان کے پاس اتنا بھی نہ رہ جائیگا جوان کے لئے زادراہ بن سکے۔

۲. ما الفقرا خشى عليكم ولكنى اخشى عليكم ان تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكهم (مسلم کتاب الزھد)

مجھے اس کا خوف تو نہیں ہے کہ تمہیں فخر کا سامنا ہوگا لیکن اس بات کا خوف ضرور ہے

کہ دنیا تمہارے لئے اسی طرح کشادہ کردی جائیگی جس طرح اگلی امتوں کے لئے ہوچکی ہے اور دنیا طلبی کے مقابلے تمہارے درمیان بھی ویسے ہی ہونے لگیں گے جیسے اگلے لوگوں میں ہوچکے ہیں۔اور یہ رغبت دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کردیگی جس طرح ان کو ہلاک کرچکی ہے

اسلامی نظام معیشت

مال وزر کی ذخیرہ اندوزی کو بدترین جرم قرار دیتا ہے

اسلام کا نظام معیشت مال ومتاع کی ذخیرہ اندوزی اور دولت وثروت کے خزانے بھر لینے کی عادت کو سنگین اور قابل تہدید جرم قرار دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ(۳۴) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

(۳۵) (التوبہ)

جولوگ سونے اور چاندی کے ذخیرے جمع کرتے ہیں اور انکو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے رسول) انکو دردناک عذاب کی خبر سنادو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانی، پہلوؤں، پٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائیگا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کرکے رکھا تھا (اب) اپنے جمع کئے ہوئے خزانے کا مزہ چکھو۔

ضرورت سے زیادہ زرومال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اسکے خزانے جمع کر رکھو

حدیث میں ہے: انما اعطاکم الله هذه الفضول من الاموال لتوجهوها حيث وجهها الله تعالیٰ ولم یعطکم لتکنزوھا (تفسیر صافی ۲۲۲)

خدانے یہ ضرورت سے زیادہ مال تمہیں اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے ادھر صرف کرو جدھر خدانے حکم دیا، اس لئے نہیں دیا ہے کہ اس کے خزانے جمع کر رکھو۔ (الکافی: ج۴، ص۳۳)

اس نے محض اس زبانی تہدید اور اخروی نتائج کی خرابی سے تخویف ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اس بری عادت کے انسداد کے لئے ایک عملی قدم یہ بھی اٹھایا ہے کہ سونے چاندی کے سکوں کے ہر اس ذخیرہ پر زکوٰۃ واجب کر دی جو سال بھر ایک جگہ بند پڑا رہے کسی کاروبار میں نہ لگایا جائے۔

اسلام کے اس قانون کی مصلحت وغرض ظاہر ہے۔ایک صرف ذخیرہ اندوزی کی خرابیوں سے بچانا مقصود ہے، دوسری طرف کاروبار کی ترقی کے طریقوں کوفروغ دینا جو صرف روپئے کی گردش ہی پر موقوف ہے، بند پڑے ہوئے ذخائر سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا، دوسروں کا ذکر کیا خود ان کے مالک ہی کو ان سے تازہ منفعت حاصل نہیں ہوتی ایسے ذخائر مال پر زکوٰۃ فرض کر کے یہ ہدایت کی ہے کہ اصل فائدہ ان کو کاروبار میں لگانے میں ہے نہ کہ خزانوں کے اندر مقفل رکھنے میں۔

اسلام کا عام معاشی اصول
دولت کی گردش صرف دولتمندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے

قرآن مجید صاف وصریح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ سرمائے کا طبقۂ اغنیاء کے اندر محدود ہوکر عوام کی نکبت وافلاس ہلاکت کا باعث بن جانا بدترین جرم ہے جسکا انسداد نظام اسلامی کا اعلیٰ واہم مقصد ہے۔

مَّـا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُم(۷)

جو مال خدا نے اپنے رسول کو گاؤں والوں سے بے لڑے دلوایا ہے وہ خدا ورسول (اور رسول کے) قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے تا کہ تم میں سے جولوگ دولتمند ہیں دولت کی گردش ہر پھر کر انھیں کے اندر محدود نہ ہونے پائے۔(الحشر)

زرو مال کی خرچ کی بابت تاکیدی احکام

جس طرح کسب مال ودولت کا حکم دینے میں اسلامی نظام نے اہتمام خاص ملحوظ رکھا ہے اور اس نظریہ کی ہر ممکن تصریح کردی ہے کہ ہر آدمی کو بقدر استطاعت ومشقت برداشت کر کے اسباب معیشت خود حاصل کرنا چاہئے ،اس طرح خرچ مال وزر کے تاکیدی احکام بھی جاری کئے ہیں اور خرچ کی مدت بھی بصراحت بتادی ہے ،اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔ مناسب طریقے سے دولت کماؤ اور نفع خلق اللہ کے اعلیٰ مقاصد میں خرچ کرو،صرف چند احکام

یہاں نقل کئے جاتے ہیں انھیں سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کا نصب العین کیا ہے۔

۱۔ لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۱۱۷)

نیکی کچھ یہی بات نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو وہ ہے جو خدا وآخرت کے دن اور فرشتوں اور عذاب کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور غریب مانگنے والوں کو دے اور (لونڈیوں غلاموں) آزاد کرانے میں (صرف) کرے اور نماز کا پابند ہو اور زکوٰۃ دیتا رہے اور عہد و پیمان کرنے کے بعد پورا کرنے والے۔ تنگی اور تکلیف اور جہاد کے کٹھن وقت میں ثابت قدم رہنے والے یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے (ایمان کے دعویٰ) کو سچ کر دکھایا، اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔ (الفقرہ)

اس آیہ مبارکہ میں تمام کمالات انسانیہ مذکور ہیں:

عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے جتنے کمالات انسانیہ تصور میں آسکتے ہیں وہ سب اس آیہ مبارکہ میں یکجا جمع کر دیئے گئے ہیں۔ صرف اسی کو پیش نظر رکھکر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا برترین نصب العین کیا ہے اور وہ انسان کو کمالات وسعادت کے کن اعلیٰ مراتب پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے حضرت سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **من عمل بهذه الآية فقد استكمل الايمان**. جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

بلند پایا مفسر جناب محسن فیض کاشانیؒ فرماتے ہیں:

قیل الآیة کما تریٰ جامعة للکمالات الانسانیة باسرها دالة علیها صریحا او ضمناً فانها بکثرتها و تشتتها منحصرة فی ثلاثة اشیاء: صحة الاعتقاد، و حسن العاشره، و تهذیب النفس و قد اشیر الی الاول بقوله (من آمن الی النبیین)، و الی الثانی بقوله (و اٰتی المال الی و فی الرقاب، و الی الثالث بقوله و اقام الصلوٰة الیٰ اخرها)، و لذلک وصف المجتمع بها بالصدق نظراً الیٰ ایمانه و اعتقاده و بالتقویٰ اعتباراً بمعاشرته للخلق و معاملته مع الحلق.

کہا گیا ہے کہ (علماء کا ہی قول) کہ یہ آیت جیسا کہ تم دیکھتے ہو جملہ کمالات انسانی کہ جامع ہے اوران سب کہ طرف صریحاً یا ضمناً رہنمائی کرتی ہے اور کمالات انسانیہ تین چیزوں میں منحصر ہیں: (اول) صحیح عقائد۔(دوم) حسن معاشرت (سوم) تہذیب نفس: من آمن لے کر النبیین تک قول خداوندی میں پہلی چیز یعنی صحت اعتقاد کی طرف اشارہ ہے۔اور دوسری چیز یعنی حسن معاشرۃ کا: واٰتی المال سے و فی الرقاب تک تذکرہ ہے۔اور تیسری چیز یعنی تہذیب نفس کا تذکرہ ہے: اقام الصلوٰۃ سے آخر تک ہے۔اوران صفات کمال کے جامع انسان کا وصف بنظر اس کے ایمان واعتقاد کے۔صدق۔سے کہا ہے اور خلق کے ساتھ حسن معاشرت اورحق تعالیٰ کے ساتھ خوبی معاملہ کے اعتبار سے اس کو۔تقویٰ۔سے موصوف کیا ہے۔

مال خدا کا ہے وہی مالک حقیقی ہے:

۲. آمنوا بالله ورسوله و انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیه فالذین اٰمنوا منکم و انفقوا لهم اجر کبیر. (الحدید:۷)

اللہ پر ایمان لاؤ اوراس کے رسول پر اور جس مال میں تمکو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں (راہ خدا

میں) خرچ کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہوں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اس بات طرف اشارہ ہے کہ اسباب معیشت کا مالک حقیقی خدا ہے اور اس نے اپنے نائب کی معیشیت سے بندوں کو عطا فرمایا ہے تا کہ وہ حقداروں تک پہنچائیں۔

حدیث قدسی میں ہے: مال میرا ہے مالدار میرے وکیل ہیں اور فقراء واہل احتیاج میرے عیال ہیں پھر اگر میرا وکیل میرے عیال کو میرے مال سے خرچ نہ دیگا تو میں اسکو جہنم میں داخل کردوں گا اور مجھے اس کی کچھ پروا نہ ہوگی۔

مالداروں پر زکوٰۃ وخمس ایسے واجب حقوق کے علاوہ دوسرے انسانی حقوق

۳. وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹).

ان کے اموال میں مانگنے والے اور محروموں کا معین حق ہے،

اس آیت میں زکوٰۃ وخمس ایسے صدقات واجبہ کا ذکر نہیں جن کا ادا کرنا ہر صاحب مال پر فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی مالداروں پر انسانی حقوق عاید کئے گئے ہیں۔ انہیں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ روایات ذیل اس پر شاہد ہیں:

(الف) بعض صحابہ نے حضرت رسالتمآب سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور حق بھی ہے؟ تو فرمایا: **نعم بر الرحم اذا دبرت واصلة الجار المسلم فما آمن بی من بات شبعاناً وجاره المسلم جاء، ثم قال: ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثنی**

ہاں صلہ رحمی اور ہمسایہ سے حسن سلوک وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو سیر ہو کر رات کو بسر کرتا ہے جبکہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہے، جبرئیل نے پڑوسی سے متعلق اتنی تاکید وسفارش کی کہ میں سمجھا

پڑوسی کو بھی میری میراث میں سے ملے گا۔ (وسائل الشیعہ ج۹ص ۵۳)

(ب) ابوبصیر راوی ہیں۔ کنا عند ابی عبدالله و معناه بعض اصحاب الاموال و ذکروا الزکوٰۃ فقال ابو عبدالله ان الزکوٰۃ لیس یحمد بها صاحبها انما هو شئی ظاهر انما هو حقن به دمه و سمی مسلما و ان علیکم فی اموالکم غیر الزکوٰۃ فقلت اصلحک الله و ما علینافی اموالنا غیر الزکوٰۃ فقال سبحان الله اما تسمع الله یقول فی کتابه و الذین فی اموالهم حق معلوم للسائل و المحروم. (الکافی: ج۳، ص۴۹۹)

ہم لوگ جناب ابوعبداللہ جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھے اور ہمارے ساتھ کچھ دولتمند لوگ بھی تھے ''زکواۃ'' کا تذکرہ ہوا تو حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ زکواۃ پر صاحب زکواۃ مستحق تعریف وثنا نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک ظاہری چیز ہے، جس کے ذریعہ سے انسان کا خون محفوظ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مسلم کہلاتا ہے تم پر زکواۃ کے علاوہ بھی مالی فرائض عاید ہوتے ہیں، عرض کی ارشاد ہو زکواۃ کے علاوہ ہمارے اموال میں اور کون سے فرائض ہم پر عاید ہوتے ہیں۔؟ سبحان اللہ تم نے نہیں سنا کہ خداوند عالم اپنی کتاب میں فرمایا : وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹)

(ج) حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: الحق المعلوم الشئی یخرجه من ماله لیس من الزکوٰۃ ولا من صدقة المفوضین فقال له الرجل فما یصنع فقال یصل به رحما و یقویٰ به ضعیفا و یحمل به کلا او یصل به اخاله فی الله .

(د) حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا:۔ حق معلوم سے مراد زکواۃ یا کوئی اور صدقہ واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے جسے انسان کو اپنے مال میں سے

نکالنا چاہئے، پوچھنے والے نے کہا کہ اس حق کو مال سے نکال کر کیا کرے؟ فرمایا قرابتداروں کو دے کمزوروں کو قوت پہنچائے کسی حاجت مند کا بار اپنے اوپر لے، یا کسی دینی بھائی کی مدد کرے۔ (الکافی: ج: ۳، ص ۴۹۹)

محتاجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار

أَلَمْ يَعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ: ۱۰۴)

کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ یقیناً اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو لیتا ہے، اور یقیناً وہ توبہ کا بڑا قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں یہ کہا گیا ہے کہ خیرات وصدقات جو محتاجوں کو دیئے جاتے ہیں وہ خدا کے ہاتھوں میں جاتے ہیں۔

حدیث نبویؐ ہے: ان الصدقة تقع فی ید اللہ قبل ان تصل الی ید السائل، صدقہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے قبل اس کے کہ سائل کے ہاتھ میں پہنچے۔" (تفسیر صافی: ج ۲ ص ۳۷۲)

یہ انداز بیان محتاجوں اور حقداروں کی مالی امداد کی عظمت واہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے

کار خیر کی اہمیت

وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاء وَجْهِ اللّهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ(۲۷۲) وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاء وَجْهِ اللّهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ (البقرہ: ۲۷۳)

اور تم جو کچھ کار خیر میں خرچ کروگے تو اپنے لئے اور تم خدا کی خوشنودی کی طلب کے

سوااور کام میں خرچ کرتے ہی نہیں اور جو کچھ کار خیر میں خرچ کرو گے (بروز قیامت) تم کو پھر واپس مل جائیگا اور تمہارا حق مارا نہ جائیگا۔

بخل کی مذمت

مَن یُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (التغابن: ١٦)

مَّثَلُ الَّذِیْنَ یُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ یُضَاعِفُ لِمَن یَشَاءُ (سورۂ بقرہ:۲۶۱)

جو شخص اپنے نفس کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔

جولوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثال اس دانے کی ہے جس کی سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سو (۱۰۰) دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا (بھی) کر دیتا ہے۔

کس قسم کے لوگوں پر انفاق۔۔کرنا چاہیئے اس سلسلے میں چند آیتیں اور روایتیں پیش کی جاتی ہیں

ماں باپ کے حقوق

۱)وَقَضَی رَبُّکَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً

(الاسراء:۲۳)

اور تمہارے پروردگار کا یہی حکم ہیکہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو:

مالی امداد کے مستحق اور ان کے درجات

۲)یَسْأَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالأَقْرَبِیْنَ

وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ (البقرہ:۲۱۵)

(پیغمبر) یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں (کن لوگوں پر) تو تم ان سے کہو کہ جو کچھ نیک کمائی سے خرچ کرنا ہے وہ (تمہاری) ماں باپ اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو اچھا کام کروگے خدا اس سے ضرور واقف ہوگا۔

خوددار غریبوں پر خاص نظر عنایت

۳) لِلْفُقَرَاء الَّذِينَ أُحصِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْباً فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ (البقرہ:۲۷)

(تمہاری طرف سے مالی امداد) خاص ان حاجتمندوں کا حق ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور روئے زمین پر (اگر جانا چاہیں تو) چل نہ سکتے ہوں، ناواقف ان کو امیر سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ بہ لحاظ خودداری کسی سے سوال نہیں کرتے لیکن تم ان کی صورت ہی سے پہچان جاؤ گے (کہ وہ محتاج و مستحق افراد ہیں اگرچہ) لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو کچھ تم مصرف خیر میں خرچ کرتے ہو خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ:۶۰)

مال زکوٰۃ (وغیرہ) تو فقیروں کا محتاجوں کا حق ہے اور (ان) کارندوں کا (جن کے متعلق انکا وصول کرنا ہے) اور انکا جن کی تالیف قلب کی گئی ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور ان

قرضداروں کا قرض ادا کرنے میں (جو نادار ہیں) اور خدا کی راہ میں (جہاد وغیرہ) اور مسافروں کی امداد میں خرچ کرنا چاہئے (یہ حقوق) خدا کی طرف سے واجب قرار دیئے گئے ہیں اور خدا بڑا عالم اور صاحب حکمت ہے۔

انسانی حقوق دوسرے کار خیر پر مقدم ہیں

اتی رجل الی النبیؐ بدینارین فقال یا رسول الله ارید ان احمل بهما فی سبیل الله قال ا لک و الدان او احدهما؟ قال: نعم قال اذهب و انفقهما علی و الدیک فهو خیرلک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل ... بدینارین اخیرین فقال: یا رسول الله قد فعلت هذان دینار ان ارید ان احمل بهمافی سبیل الله قال لک ولد قال نعم قال اذهب فانفقهماعلی ولدک فهوخیر لک ان تحمل بهمافی سبیل الله فاتاه فرجع بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله قدفعلت و هذان دینار ان ارید ان یحمل بهما فی سبیل الله فقال الک زوجة؟ قال نعم، قال بهما فی سبیل الله انفقهما علی زوجتک فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل الله فرجع ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله قدفعلت و هذاندینار ان ارید ان احمل بهما فی سبیل الله فقال لک خادم ، قال نعم ، قال فاذهب انفقهماعلی خادمک فهو خیر لک من ان تحمل بهما فی سبیل الله ففعل فاتاه بدینارین اخیرین فقال یا رسول الله انی ارید ان احمل بهما فی سبیل الله فقال احملهما و اعلم بانهما لیسا بافضل من دنانیرک (لئالی الاخبار)

روایت ہے، ایک شخص حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں دو اشرفیاں (دینار کا

ترجمہ مصنفہ نوراللہ مرقدہ نے اشرفیاں کیا ہے جوکہ سونے کی ہوا کرتی تھیں دینار کی طرح) لے کرحاضر ہوا ،اورعرض کی کہ ان کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا۔کیا تیرے ماں باپ ہیں ،یاان میں سے کوئی ایک؟ اس نے کہاہاں ،توفرمایا کہ جااوران اشرفیوں کو ماں باپ پرخرچ کر یہ بات تیرے حق میں راہ خدامیں صرف کرنے سے بہتر ہوگی ،وہ گیااورتعمیل حکم کرکے دوسری دواشرفیاں لئے ہوئے پھرآیا،اورکہنے لگا کہ میں حکم بجالایا اور یہ دواشرفیاں ہیں ان کوراہ خدامیں صرف کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ تیرے کوئی لڑکا ہے؟اس نے عرض کی ہاں، حضرت نے فرمایا جااوران دیناروں کواپنے بیٹے پرخرچ کر یہ بات تیرے لئے بہ نسبت راہ خدامیں صرف کرنے سے بہتر ہے ،وہ پلٹا اورتعمیل ارشاد کرکے دواشرفیاں لئے ہوئے پھرحاضرخدمت ہوااورانھیں راہ خدامیں خرچ کرنے کی خواہش کی تو حضرت نے فرمایا کہ تیرے پاس زوجہ ہے اس نے کہاہاں حضرت نے فرمایا جااوران دیناروں کواپنی زوجہ پر خرچ کریہ امرتیرے لئے بہ نسبت راہ خدامیں خرچ کرنے سے بہتر ہے وہ واپس گیااوربموجب حکم عمل کرکے دواشرفیاں لئے ہوئے بھرآیا تو حسب سابق راہ خدا میں صرف کرنے کی درخواست لی حضرت نے فرمایا کہ تو کوئی خدمتگار رکھتا ہے؟اس نے کہاہاں تو حضرت نے فرمایا جااوران دیناروں کواپنے خادم پرصرف کر، یہ امرتیرے لئے راہ خدامیں خرچ کرنے سے بہتر ہوگا،اس نے اس ارشادپرعمل کیا،اوردواشرفیاں لئے ہوئے پھرحاضرخدمت ہوااورراہ خدامیں خرچ کرنے کی خواہش کی،توفرمایا،اچھامگرجان لینا کہ یہ دونوں دینارتیرے سابق دیناروں سے بڑھکرنہ ہونگے۔

نیز حدیث نبوی ہے:لا صدقة وذورحم محتاج. صدقہ نہیں جبکہ قرابتدارمحتاج ہوں۔

(من لایحضرہ الفقیہ : ج:۲ ص:۶۸)

کس قسم کی چیزوں کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے

لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ (سورۂ آل عمران: ۹۲)

کس قسم کی چیزیں مصرف خیر میں صرف کرنی چاہئیں اس کے متعلق چند ہدایات ہیں

جبکہ تم ان چیزوں میں سے جن سے محبت رکھتے ہو خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی کا درجہ نہیں پاسکتے۔

۲)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَلاَ تَيَمَّمُواْ الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلاَّ أَن تُغْمِضُواْ فِيهِ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (سورۂ بقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو، اپنی پاک کمائی اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے واسطے زمین سے نکالی ہیں (راہ خدا میں) خرچ کرو اور بری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو، حالانکہ ایسی چیز کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اس کے لینے والے نہیں، مگر یہ کہ اس کے لینے میں (عمدا) آنکھ چراؤ اور جان لو کہ خدا بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے: ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب ''خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔

راہ خدا میں دینے کے حدود و قیود کو بھی اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے، اس سلسلہ کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

اپنے احسانوں کو احسان جتا کر اور دکھ دیکر برباد نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْداً لاَّ يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سورۂ بقرہ:۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان جتانے اور (سائل کو) دکھ دینے سے اکارت نا کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، اسکی (خیرات) اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے (اس کی مٹی بہا کر) بالکل صاف چکنی چھوڑ دے۔

ایسے لوگ اس خیرات میں سے جو انھوں نے کی ہے کچھ بھی ہاتھ نہ آئیگا اور خدا کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا:۔

سچی خیرات کی اعلیٰ مثال

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ وَتَثْبِيتاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ (سورۂ بقرہ:۲۶۵)

جو لوگ اپنے مال کی رضا جوئی میں اور اپنے دلی مضبوط اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں، انکی مثال اس (سرسبز) باغ کی سی ہے جو کسی اونچی زمین پر لگا ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے تو وہ دوگنے پھل لائے۔

ریاء شرک اصغر ہے: حدیث رسولؐ ہے: انی اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر۔ قالوا: وما شرك الاصغریا رسول الله؟
فقال: الریاء

سب سے زیادہ ڈراؤنی چیز جس کا مجھے تم سے ڈر ہے شرک اصغر ہے کسی نے پوچھا کہ " شرک اصغر" کیا ہے؟ فرمایا "ریا کاری"

چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت

إِن تُبۡدُواۡ الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخۡفُوهَا وَتُؤۡتُوهَا الۡفُقَرَاء فَهُوَ خَيۡرٌ لُّكُمۡ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمۡ وَاللّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٌ (سورۂ بقرہ:۲۷۱)

اگر تم صدقات کو کھلے طور پر دو تو یہ (بھی) اچھی بات ہے اور اس کو چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے (ایسے صدقے) تمہارے گناہوں کا کفارہ کردیگے اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال غریبوں پر خرچ کرو

و یسئلونک ماذاینفقون، قل العفو (سورۂ بقرہ:۲۱۹)

(اے رسول) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں تو تم (ان سے) کہو کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے بچے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: **العفو هو الوسط من غير اشراف ولا اقتار** : (تفسیر نور الثقلین: ج:۲ ص:۲۱۰)

العفو سے مراد اوسط درجہ ہے جس میں نہ فضول خرچی ہو نہ تنگ دلی۔

نیز امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے، مافضل عن قوت السنۃ "العفو" سے مراد وہ مال

ہے جو سال بھر کی خرچ خوراک سے بچ رہے۔(مجمع البیان: ج ا ص ۳۱۶)

ایک اور روایت میں ہے: ما فضل عن الاهل و العيال ''العفو'' سے مراد وہ مال ہے جو اہل وعیال کے خرچ سے بچ رہے۔''

حد اعتدال کا خیال رکھو، راہ خدا میں خرچ کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ

وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورۂ بقرہ: ۱۹۵)

خدا کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بیشک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لو ان رجلا انفق ما فی يديه فی سبيل الله ما كان احسن ولا وفق للخير: . اليس يقول الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة واحسنوا ان الله يحب المحسنين . يعنى: المقتصدين . (تفسیر صافی: ج ا ص ۲۳۰)

اگر کوئی شخص جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے راہ خدا میں سب خرچ کر ڈالے تو یہ بات کچھ اچھی نہ ہوگی، اور نہ مناسب، کیا خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خرچ میں اقتصاد واعتدال اختیار کرتے ہیں:

خیرات میں سب مال وسرمایہ خرچ کر کے خود محتاج نہ بن جاؤ

حدیث نبیؐ ہے: يجيء احدكم بما له كله يتصدق به و يجلس يتكفف

الناس انما الصدقة عن ظهر غنی (مستدرک الوسائل: ج ۷ ص ۲۴۰)

تم میں سے کوئی شخص اپنا تمام مال خیرات میں دے کر مفلس ہو بیٹھے اور لوگوں کے آگے سوال کا ہاتھ پھیلانے لگے (یہ پسندیدہ نہیں ہے) صدقہ تو بس وہی ہے جس کی خوش حالی باقی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے مال کا ایک حصہ مستقبل پر نظر کرتے ہوئے محفوظ رکھنا چاہیے ،صرف کرنے کے بعد بھی کچھ مال پس انداز ہونا چاہئے تا کہ بوقت حاجت کام آئے ، اتنا نہ صرف کر دیا جائے کہ مفلس ہونا پڑے اور دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے۔

حالات انسانی اور نفوس کی قوت صبر وضبط مختلف ہوا کرتی ہے، عام حالات اور عام نفوس کے اعتبار سے حکم شرع اسلامی وہی ہے جو منقولہ بالا آیات واحادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مخصوص حالات اور خواص افراد کے لئے'' ایثار علی النفس'' اول وافضل قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ باوجود ذاتی حاجت کے دوسروں کو ترجیح دینا اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے۔

ملکہ ایثار اخلاق کا بلند ترین درجہ کمال ہے

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر: ۹)

ارشاد خداوندی ہے: اگر چہ ان کو ذاتی حاجت سے تنگی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو اپنے نفس کو حرص سے بچالے گئے وہی اپنی دلی مراد پاویں گے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ابان راوی ہیں کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مومن پر مومن کا کیا حق ہے؟

تو فرمایا: **یا ابان تقاسمه شطر مالک ثم نظر الی فرای ما دخلنی، فقال: یا ابان اما تعلم ان الله قد ذکر الموثرین علی انفسهم؟ قلت بلی جعلت فداک، فقال: اذا انت قاسمته فلم توثره بعد، انما انت و هو سواء، انما توثره اذا اعطیته من النصف الآخر.** (الکافی: ج۲، ص۱۷۲)

اے ابان! تم اپنا مال اس کے اور اپنے درمیان برابر تقسیم کرلو، یہ فرما کر حضرت نے میری طرف دیکھا، اور میرے دل میں جو خیال آرہا تھا اس کو محسوس کیا، تو فرمایا اے ابان! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں مولا آپ پر میری جان قربان: تو فرمایا جب تمہیں اس برادر مومن کو اپنے مال کا نصف حصہ دیا تو بھی تم نے ایثار نہیں کیا۔ کیونکہ ابھی تو تم اور وہ دونوں برابر ہیں، ایثار تو اس وقت ہوگا جب تم اپنے نصف حصہ میں سے بھی اس کو کچھ دیدو۔

زندگی میں اپنے ہاتھ سے مستحقین پر مال تقسیم کر دینا اس سے بہتر ہے کہ مرنے کے بعد خیرات کرنیکی وصیت کی جائے۔

ان رجلا شابا من الانصار جمع مالا کثیرا من الحلال فمرض دعاوه رسول الله فی جماعة فقال له یا رسول الله اوصیک ان تتصدق اموالی کلها علی الفقراء والمسکین بیدک بعد وفاتی فقبل رسول الله وصیته فلما مات

امر ببسط امواله ثم ذهب فی داره و تصدق امواله کلها بیده فقال الراوی قلت فی نفسی للاغنیاء خیر الدنیا والآخرة فنظر رسول اللهؐ الیّ و علم ما اضمرته فاخذثمرة من ماله ورفع یده حتی ظهر ابطه ثم نظر الیّ فقال ماالذی بیدی فقلت جعلت فداک تمره واحدةمن التمرات فقال والذی ارسلنی بالحق نبیا صدقا لو تصدق هذا الرجل بیده تمره واحدةلکان خیرا و مما تصدقته عنه. (لئالی الاخبار:ص۱۱۰)

مروی ہے کہ ایک مرد انصاری نے بہت سامال بطریق حلال جمع کیا اور بیمار ہوا آنحضرت ایک جماعت صحابہ کے ہمراہ اس کی زیارت کوتشریف لائے تو اس نے عرض کی ،یا رسول اللہ میری یہ وصیت ہے کہ آپ میری وفات کے بعد میرا کل مال فقیروں اورمحتاجوں پر اپنے ہاتھ سے تصدق کر دیجئے گا آنحضرت نے اسکی وصیت قبول فرمائی ،جب وہ مرگیا تو آپ نے کے تمام مالوں کوجمع کرنے کا حکم دیا،اورخود ان کے گھر تشریف لیجا کر اپنے دست مبارک سے محتاجوں پر تقسیم کردیا،راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ مالداروں کے لئے خیر دنیا وآخرت ودنوں ہیں،اس پر آنحضرت نے میری طرف دیکھا اور میری دلی خیال پر مطلع ہوگئے تھے آپ نے ایک دانہ خرمہ ہاتھ میں لیکر ہاتھ اتنا بلند فرمایا کہ آپ کے نور بغل نظر آیا،پھر میری طرف دیکھکر فرمایا کہ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ایک دانہ خرمہ ہے' فرمایا اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا گر اس شخص نے اپنے ہاتھ سے ایک دانہ خرما تصدق کر دیا ہوتا تو اس تمام ذخیرے سے اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ جو میں اس کی طرف سے خیرات میں تقسیم کیا۔

جو کار خیر وصی کے ذریعہ سے مقصود ہو وہ جیتے جی خود کر جاؤ

اعد جهازک وقدم زادک وکن وصی نفسک ولا تقل لغيرک يبعث اليک بما يصلحک. (الکافی: ج۷، ص۶۵)

جناب جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اپنا سامان خود مہیا کرو، اپنا زاد سفر پہلے بھیجو اپنا وصی آپ بنو،

(یعنی جو کچھ وصی کے ذریعہ کرانا مقصود ہو وہ خود کر جاؤ) کسی غیر سے نہ کہو کہ تمہاری بھلائی کا سامان تمہارے بعد تمہاری طرف بھیجے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے: درهم يعطيه الرجل فی صحة خير من عتق رقبة عند الموت. (جامع الاخبار: ص۱۸۲)

تندرستی کی حالت میں دیا ہوا ایک درھم بوقت موت ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

ماعون یعنی روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے دینے میں بخل کی شدید مذمت

جو اشیاء روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور خانہ داری کے جس ساز و سامان کی حاجت عموماً ہر امیر و غریب کو ہوا کرتی ہے مثلاً پانی۔ نمک۔ آگ۔ چراغ، ظروف، فروش، اور ایسے ہی دیگر اثاث البیت، صاحب ضرورت کو ان کے دینے میں بخل کرنا نہایت قابل مذمت فعل قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (۴) الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (۵) الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ (۶)

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ (۷) (سورہ ماعون)

ان نمازوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہے اور جو دکھانے کے کام کرتے ہیں اور معمولی چیزیں روکتے ہیں جو عام طور سے درکار ہوتی ہیں۔"

"ماعون" کی تعریف

امام جعفر صادق علیہ السلام نے (ماوعون) کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

الماوعون ما يتعاوره الناس بينهم من الدلو والفاس وما لا يمنع كالماء والملح. (مجمع البیان: ج۶ ص ۵۴۸)

وہ اشیاء جن کو لوگ عام طور سے عاریت کے طریقے پر دیا کرتے ہیں، مثلاً ڈول۔ لکڑی، چیڑنے کا آلہ اور وہ چیزیں جن پر روک ٹوک نہیں ہے جیسے پانی، نمک:

نیز دوسری روایت ہے: **مثل السراج النار والخمير واشباه ذلك من الذى يحتاج اليه الناس.** (مستدرک سفینۃ البحار: ج۹ ص ۴۰۷))

چراغ، آگ، خیر اور اس قسم کی وہ چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے۔

اسلام کا اصول تقسیم دولت قانون "تقسیم بالسویہ"

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کا نظام معاشی" زمین اور اس کی پیداوار کو تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور ان میں حق تصرف تمام انسانوں کے لئے برابر ٹھہراتا ہے، اور اس کا عام اصول یہ ہے کہ دنیا کی پیداوار تمام انسانوں پر تقسیم ہونی چاہئے، اور یہ تقسیم مساواۃ کے اصول پر ہو بانی اسلام نے اپنے زمانے میں اسی "تقسیم بالسویہ" کے اصول پر عمل فرمایا، اور اسی اصول پر عملدرآمد کی بنا پر اپنے جانشینوں کی بھی مدح فرمائی:۔

تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کے ذیل میں ارشاد ہوا . اقسمهم بالسوية . (کنزل العمال: ج ۱۳ ص ۱۱۷)

وہ سب سے زیادہ برابر تقسیم کرنے والا ہے۔"

خاتم الاوصیاء اور اسلام کے آخری رہبر حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی: ابشر کم بالمهدی یرضی عنه ساکن السماء و الارض یقسم المال صحاحا، ویملاء قلوب امة محمدغناه. (بحار الانوار: ج ۵۱، ص ۸۲)

"تمہیں" مہدی کی بشارت دیتا ہوں ان سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے بسنے والے سب ہی رضامند ہونگے۔ وہ مال کو صحیح طور پر تقسیم کرینگے، اور امت محمدیہ کے دلوں کو استغناء سے بھر دیں گے:۔ کسی نے دریافت کیا کہ مال کی صحیح تقسیم سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا:۔ بالسویه بین الناس تمام انسانوں میں برابر کے حصے تقسیم کریگا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام عہد میں جب طریقہ نبویہ پر عمل ہوا اور سرمایہ کی تقسیم مساوات کے اصول پر کی گئی تو اونچے طبقے کے صحابہ میں اس طریقۂ کار سے ناراض و برہمی پھیلی تو ان کے اظہار عتاب و ناراضی پر حضرتؑ نے فرمایا۔

اصول تقسیم مساوات کے متعلق
حضرت امیرؑ کا نقطۂ نظر

اتامرونی اطلب النصر بالجور فیمن و لیت علیه و الله ما اطور به ما سمر سمیر و ما امّ نجم فی السماء نجما لو کان المال لی لسوّیت بینهم

فکیف وانما المال مال الله لهم ثم قال: الاوان اعطاء المال فی غیر حقه تبذیرواسراف و هو یرفع صاحبه فی الدنیا و یضعفه فی الاخرة.

کیا مجھے تمہارا یہ حکم ہے کہ (تمہاری) مدد وحمایت حاصل کرنا چاہتا ہوں ان پر ظلم و جور کرکے جن پر حاکم بنایا گیا ہو؟ (یعنی انکا حق مار کر تمہیں زیادہ دوں اور اس چیز سے تمہیں اپنا مددگار بناؤں؟) خدا کی قسم! جبتک راتوں کے قصے اور افسانے باقی ہیں اور ایک ستارہ دوسرے کے پیچھے چل رہا ہے اس طرح کے طریقے کے قریب نہ جاؤں گا۔ اگر یہ مال میرا ذاتی مال ہوتا تو بھی لوگوں پر برابر ہی تقسیم کرتا، پھر جبکہ وہ مال خدا کا ہے کیونکر مساوات کا لحاظ نہ رکھوں؟ ہاں سمجھ لو: کہ بغیر استحقاق مال کی بخشش وفیاضی فضول خرچی اور اسراف بیجا ہے جو اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کرتا ہے مگر آخرت میں پست وذلیل کردیتا ہے۔ (نہج البلاغہ: خ ۱۲۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں دنیا کی معاشی پریشانی کا سبب سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے

دنیا کے لئے معاشی پریشانی جو عوام کے لئے خوفناک مصیبت بنی رہتی ہے اور مدارج معیشت میں جو تباہکن نشیب وفراز پایا جاتا ہے اس کا سبب رہبران الاسلام کی نظر میں سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے:۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے،

ان الله تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالهم قدر الذی یسع فقراء هم فان جاعوا وعروا و جهدوا فبا یمنع الاغنیاء. (مستدرک الوسائل: ج ۷ ص ۸)

بے شبہہ خدا نے مالداروں کے سرمایہ مال و دولت میں اس قدر حق فرض کردیا ہے جس قدر کہ محتاجوں کے لئے کافی ہوسکتا ہے اب اگر وہ بھوکے ننگے اور خستہ حال نظر آتے ہیں تو

اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ دولت مند سرمایہ دارلوگ اس حق واجب کوادانہیں کرتے۔

ما اوسع العدل الناس یستغنون اذا عدل علیھم (مستدرک الوسائل: ج۱۱ص۱۲۳)

امن عدل میں کس قدر وسعت ہے اگر عدل کیا جائے تو سب لوگ خوش حال ہوجائیں گے۔

اسلام کا مقصد انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے

یہ ظاھر ہے کہ انسان سے محبت ودوستی کا ثبوت انھیں عالمگیر اسباب فقر وافلاس کو دور کر کے دیا جاسکتا ہے، اسلام خداوندعالم کا یہ اعلان عام بنی نوع انسان تک پہونچا تاہیکہ اس کا مقصد تم پر فضل وکرم کی بارش کرتا ہے جو نظام معیشت اس کی طرف سے جاری کیا جائیگا۔ اس کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ وہ معیشت میں وسعت وخوشحالی پیدا کرنے والا ہوگا نہ کہ فقر و افلاس کا باعث!

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ عالمگیر افلاس وفقر کی بلا کو دنیا سے ختم کر دیا جائے اور ایسی صورت پیدا کری جائے کہ عالم میں خوشحالی وفراخئی معیشت عام ہوجائے، اور کوئی محتاج مبتلاء فلا لت وافلاس باقی نہ رہ جائے زمانہ حاضرہ کی اشتراکیت جو دنیا کو اپنے معاشی نظام لی خوبیوں پر فریفتہ کرنا چاہتی ہے وہ قانون ملکیت وحقوق مالکانہ کو ختم کردینا، مدارج معیشت کو برابر اور معاشی سطح کو ہموار بنادینا دنیا کے ہمہ گیر مرض افلاس کا واحد علاج قرار دیتی ہے۔

وہ اصول معیشت جو مناسب حال انسان ہوسکتا ہے

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہی اصول معیشت مناسب حال انسان ہوسکتا ہے جو موافق فطرت ہو لہذا قابل عمل وہی نظام ہوسکتا ہے جو مساوات یا عدم مساوات صرف ایک رخ

کوسامنے رکھکر دوسرے کو بالکل نظر انداز کردیتا ہے، یہ درست ہیکہ انسان کی ذاتی قدر وقیمت مساوی ہے، اور وہ بنابر فطرت مساوی حقدار ہے لیکن اسی کے سامنے افراد انسان کی استعداد عمل وصلاحیت کار میں فطری اختلاف وتفاوت پایا جاتا ہے، ذہنی وعملی قوتیں تمام انسانوں کی خلقی طور پر یکساں نہیں ہوا کرتیں ، یہ قدرتی تفریق تہذیب وتمدن کی رنگارنگی اور گوناگون ترقی کا راز اپنے اندر مضمر رکھتی ہے تمدن وتہذیب کے کمال ارتقاء کیلئے مختلف اعمال وافعال کی حسب استعداد فطری ضرورت ہے، قوتوں اور صلاحتیوں کے تفاوت میں انسان کا حال حیوانوں سے مختلف ہے، حیوانوں کے اعمال وعمل قوتوں میں یک رنگی پائی جاتی ہے، عالم حیوانیت میں ہر نوع کے تمام افراد طبعی رجحانات اور عملی قوتوں کے اعتبار سے اختلاف نہیں رکھتے ، جو کام اور جس طرح کا عمل ایک فرد سے واقع ہوتا ہے بعینہ ویسا ہی دوسرے افراد بھی کرتے ہیں مگر نوع انسان کی فطرت صلاحیت عمل اور طبعی رجحانات کی تفریق اور اس کے آثار ونتائج کے تنوع پر قائم کی گئی ہے جبکہ ہر فرد کی قوت عمل وصلاحیت کار اور رجحان طبع میں دوسرے سے یک رنگی نہیں ہوتی ۔تو ان اوصاف کے ثمرات بھی لامحالہ یکساں نہ ہونگے ،افراد انسانی کی سعی عمل کے فطری تفاوت کی طرف ارشاد ربانی میں اشارہ ہے:

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى (۴) بے شک تمہاری کوششیں طرح طرح کی ہیں۔'' (۹۲:۴)

اوراختلاف رجحانات طبع وتفاوت قوائے عمل کے ثمرات ونتائج کے مختلف ہونے کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے:۔

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (۱۷ : ۸۴) ہر شخص اپنے طریق پر عمل کرتا ہے

ان اختلافات کی وجہ سے درجات معیشت میں بھی تفاوت پیدا ہوجانا فطری امر ہے جسکا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضاً سُخْرِيّاً (۴۳: ۳۲)

ہم نے ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور ایک کے درجہ دوسرے پر بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی خدمت میں لگائے:۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فطرت کے اس مصلحت خیز ختلاف کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی: اذ خالف بحكمته بين هممهم وارادا تهم وسائر حالاتهم و جعل ذلک قواما لمعائش الخلق. (بحارالانوار: ج۹۰، ص۴۸)

ليستعين بعضهم ببعض فى ابواب المعائش بها صلاح احوالهم.

خدا نے ان کے ارادوں ہمتوں فکروں اور تمام حالات میں اختلاف قرار دیا ہے اور اس بات کو خلق کے معاشی ذرائع کا دارو مدار قرار دیا ہے، تاکہ ہر شخص دوسرے سے معاشی ضروویات اور وسائل میں مدد لے جوانکی صلاح حال کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر علی بن ابراھیم قمی میں منقولہ بالا آیہ مبارکہ کے متعلق منقول ہے،

و هذا من اعظم دلالة الله على التوحيد لانه خالف بين ملكهم كصتهم و اراداتهم واهوائهم ليستعين بعضهم على بعض لان احدهم بنفسه لنفسه ..... رلو احتاج كل انسان ان يكون بناء لنفسه وخياطا لنفسه وحجا مالنفسه وجميع الصناعات التى يحتاج اليها لما قام العام طرفة عين و لكنه عزوجل خالف بين هممهم وذلک اعظم دلالة على التوحيد (تفسیر برہان)

یہ بیان خدا کی وحدنیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ہوس نے انسانوں کے ملکات و قوی پر بھی اسی طرح اختلاف پیدا کیا ہے جس طرح ان کی صورتیں، ارادے اور خواہشیں مختلف قرار دی ہیں تاکہ ایک دوسرے سے مدد حاصل کر سکے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے ضروریات کا خود کفیل نہیں ہوسکتا، اگر ہر آدمی اس کا محتاج ہوتا کہ خود اپنا گھر بنانے والا اور کپڑے

سینے والا اور حجامت کرنے والا اور اسی طرح وہ تمام صنعتیں خود کرے جن کی اس کو زندگی دنیا میں حاجت ہوتی ہے تو عالم چشم زدن میں بھی قائم نہ رہ سکے گا، لیکن خداوند عالم نے بندوں کے افکار وخیالات الگ الگ بنائے ہیں، اور یہ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ان آیات اور انکی تفسیروں کا حاصل چند امور ہیں:

(اول) تہذیب وتمدن کی ترقی کے لئے اصول تقسیم عمل لازم ہے خداداد استعداد اور قوتوں کے مناسب ضروری کاموں کا ذمہ دار مختلف اشخاص کو ہونا چاہئے اس کے بغیر دنیا کا نظام چل نہیں سکتا

(دوم) اسی ضرورت کے ماتحت قانون قدرت نے انسانی فطرت میں رنگارنگی اور تنوع پیدا کیا ہے قوی علم وعمل میں تفاوت قرار دیا ہے، طبیعتوں کے رجحانات افکار وخیالات میں اختلاف رکھا ہے۔ ہمتوں، حوصلوں، قوتوں اور صلاحیتوں میں فطری تفریق قائم کی ہے۔

(سوم) مذکورہ بالا اختلافات کے ثمرات ونتائج بھی میدان عمل میں لامحالہ مختلف ہونگے، اور اسی طرح مدارج معیشت کا تفاوت ایک قدرتی ناگزیر امر ہے جو مصلحت نظم عالم کے ماتحت خود خالق کائنات کی مشیت کا تقاضا ہے، ان امور کو پیش نظر رکھنے والے اس بات سے انکار کرنے میں حق بجانب نہیں ہوسکتے کہ عالم انسانیت کی خیر و بہبود کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ حاجات معیشت کے تفاوت کو فطرت ہی کے حدود تک محدود رکھنے کی کوشش کی جائے اس کو بالکل ختم کردینے کی ہر کوشش دراصل سعئ تبدیل فطرت انسان کی مرادف ہوگی جب تک انسان کی فطرت نہ بدل دی جائے اور اس کے اوصاف وحالات کو بلحاظ فطرت برابر نہ کردیا جائے، سطح معیشت انسانی کو ہموار و یکساں بنانے کی ہر تدبیر وخواہش فطرت سے بغاوت اور قدرت سے جنگ قرار پائیگی کیونکہ دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو بلند حوصلہ و ہمت عالی اور بہترین قوت عمل واستعداد رکھنے والوں کو انکی فطرت کے مطابق سعی ومحنت کی اجازت ہی نہ دی

جائے، یا ان کے لئے ثمرات محنت سے مناسب فائدہ اٹھانا ممنوع قرار دیا جائے، اور انکی محنتوں کے نتائج وثمرات ان سے زبردستی چھین لئے جائیں، ظاہر ہیکہ یہ دونوں صورتیں خلاف منشائے فطرت اور نوع انسانی پر ظلم صریح ہونگی، یہ ہوسکتا ہے کہ تمام انسانوں کو بڑی بڑی کار گاہوں اور عالی شان عمارتوں کو رکھا جائے اور حکومت کے مصارف سے ان کو یکساں پر تکلف کھانے کھلائے اور دیدہ زیب لباس پہنائے جائیں، ان کے لئے حکومت کی جانب سے وظائف یومیہ مقرر کئے جائیں، غرض ان کی دنیوی معیشت کی سطح کو ہموار بنانے اور معاش طبقہ دار کو دنیا سے مٹانے کی ہر امکان تدبیر کرلی جائے، مگر اس سے حیات انسانی کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا، انسان کے فطری قوئ عمل کے ابھارنے میں یہ تدابیر کارگر نہ ہوگی۔ مگر افراد کی زندگی کچھ نہ کچھ عیش وآرام کی زندگی تو ضرور ہوگی مگر ان میں پر جوش حرکت عمل پیدا کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگا، زندگی کی امنگیں محوخواب ہوں گی، قدرتی ی صلاحیتیں اور استعداو جمود وخمود کے عالم میں پیش ہوگی۔

علاوہ اسکے اخلاقی کمالات ارادی عمل کی صورت میں ظاہر ہوسکتے ہیں اخلاق کی تربیت اور کردار کی اعلیٰ معیار کا ظہور خالص مجبوریوں کی صورت میں ناممکن ہے، جب دولت کمانے اور خرچ کرنے دونوں باتوں میں مناسب آزادی حاصل نہ ہوتو اخلاقی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس طرح کی زندگی غلامی کی زندگی سے زیادہ مختلف نہ ہوگی، مہربان آقا اپنے غلاموں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتا اور بہتر سے بہتر لباس پہناتا ہے مگر وہ اپنی کمائی اور اس کے خرچ پر خود مختار نہیں ہوتے، پھر کیا دنیا کے بعض نظامات حاضرہ غلامی کے اسی وصف خصوصی کی طرف دعوت نہیں دیتے؟

جس زندگی میں عمل کا جوش محنت کی امنگ، کسب کمال کا عزم صمیم، ذہنی وجسمانی

قوتوں کے سرمایہ کو فعالیت میں لانے کی ہمت بلند موجود نہ ہو وہ حیات انسانی نہیں جہاں سامان معیشت کی فراوانی آزاد کے تعیش کے اسباب کی افراط ہو مگر کسی ہنر میں فطری جوہر دکھانے کیلئے مناسب میدان عمل نہ ہو، اور نہ وہاں کے سامان واسباب پر حقوق مالکانہ حاصل ہوں۔ وہ جگہ جنت آدم تو ہوسکتی ہے ہماری دنیا بہر صورت نہیں ہوسکتی۔

حاصل کلام یہ کہ اشتراکیت و سرمایہ داری دونوں مخالف فطرت بشری ہونے میں برابر ہیں۔

اسلام کا عام اصول۔
انسان کی قدر و قیمت اسکا حسن عمل ہے

مسلک اعتدال وہی ہے جس پر اسلام چلانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر انسان کی قدر و قیمت ذاتی اعتبار سے برابر ہے، مگر باعتبار مساوات تفاوت درجات سے بدل جاتی ہے اسکا عام اصول یہ ہے کہ: قیمة کل امرء ما یحسنه ، انسان کی قیمت کا راز اس کے حسن عمل پر مضمر ہے۔

نیز بنا بر اصول اسلام حق معیشت عطیہ خدا ہے جو اس کے بندوں میں برابر تقسیم ہوتا ہے اور "مدارج معیشت" میں انسان کی سعی و محنت کو بھی دخل ہے۔ ان اصول کے ماتحت ایک طرف تو دنیا کی پیداوار کو مباح الاصل قرار دے کر تمام انسانوں کے حقوق انتفاع مساوی قرار دئے ہیں اور دنیا کے وسیع میدان عمل میں بقدر ہمت و حوصلہ ودڑ دھوپ کا عام حق تسلیم کیا ہے اس باب میں افراد و جماعتوں کی ترجیح نہیں رکھی ہے۔ اور نہ کوئی امتیازی حق قرار دیا ہے جو دوسروں کو مرحمت ہوا ہے۔

سرمایہ کی تقسیم بالسویہ کا اصول اسلام کا بنیادی اصول ہے جس سے انحراف بدون

ضرورت جرم ہے مگر اسی کے ساتھ ہر آدمی کو اسکی محنت کے نتائج و ثمرات میں حق ملکیت بھی عطا کرتا ہے، اور اس شخصی حق ملکیت میں دیگر مستحق افراد کے حقوق بھی قائم کرنا ہے۔

و فی اموالهم حق للسائل والمحروم ، (سورۂ ذرایات)۔

وہ جہاں ذاتی قابلیتوں کے بل بوتے پر تحصیل معاش میں دوڑ دھوپ کر کے کامیابی اور ناکامیابی کا تجربہ کرنے کی راہوں کو مسدود نہیں کرتا اور طلب معیشت میں مناسب و معتدل مسابقت کا سدباب روا نہیں رکھتا وہاں ہر فرد انسان کو اس کی یہ ہدایت بھی ہیکہ کامل زندگی تنہائی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ فطری طور پر حیات اجتماعی و تمدنی قرار دی گئی ہے، اور اس کی خیر و بہبود فلاح عام سے وابستہ ہے۔ خیر حقیقی یہ ہے کہ اپنے فائدے کو دوسروں کے مفاد سے الگ نہ قرار دیا جائے، اور یہ مسابقت اور دوڑ دھوپ ایسے طریقے پر ہونا چاہئے کہ اس سے دوسروں کا حق تلف نہ ہو، بلکہ ان کو فائدہ پہنچے ہر شخص کے لئے ہر قسم کی جائز ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہو اور ہر آدمی اپنے محنت و ثمرات کا مالک و متصرف ہے۔ ایسا کوئی طبقہ نہیں پیدا ہو جائے جو دوسروں کی محنت کے پھل کھائے جبکہ وہ معمولی ضروریات زندگی کیلئے بھی محتاج ہوں۔

نظام اسلامی کے اساسی نظریات

نظام اسلامی مندرجہ ذیل اصول پر قائم ہے:

۱) اصنعوا المعروف الی کل احد فان کان اهله و الا فانت اهله.

ہر آدمی کے ساتھ ایک اچھا سلوک کرو اگر وہ اسکا مستحق ہو تو خیر ورنہ تم اسکے مستحق ہو (کہ نیکی کرو) (الکافی: ج۴، ص۶۵)

۲) خیارکم سمحاء کم و شرارکم بخلاء کم: تم میں بھلے وہ لوگ ہیں جو سخی ہیں اور برے وہ ہیں جو بخیل ہیں۔ (تحف العقول: ص ۳۷)

۳) ما یعبد الله بمثل نقل الاقدام الی بر الاخوان.

اللہ کی عبادت میں بھائیوں کیساتھ حسن سلوک میں قدم اٹھانے کی ایسی کوئی عبادت اور نہیں۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۲۲)

۴) المومنون فی تبارھم و تراحمھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی تداعی له سائرہ بالسھر و الحمی. (مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۲۴)

مومنین باہمی حسن سلوک اور مہربانی کے برتاؤ میں مثل بدن کے ہیں کہ جب ایک عضو بدن کو کوئی بیماری عارض ہوتی ہے۔ تو تمام اعضاء کو اسکی تکلیف سے نیند نہیں آتی۔

۵) ان الله فی عون العبد ما دام العبد فع عون اخیه.

خدا بندے کا مددگار رہوتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کا مددگار رہوتا ہے۔

(مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۴۳۰)

۶) راس العقلب بعد الایمان التودد الی الناس وصطناع الخیر الی کل بر و فاجر.

اصل عقل بعد دینداری کے لوگوں کی دوستی و محبت حاصل کرنا ہے اور ہر آدمی کے ساتھ نیکی کرنا ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار ۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۶ ص ۲۹۶)

اسلام کسی انسان کو ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کیلئے باعث ضرر ہو

فطری صلاحتوں اور قوتوں کی کمی کی وجہ سے معاشی دوڑ و دھوپ اور اقتصادی مسابقت میں پیچھے رہ جانا اور بات ہے، اور کسی انسان کا دوسرے انسانوں کی غیر معتدل اور

غیر منصفانہ مسابقت کی وجہ سے در ماندہ و ضرر رسیدہ ہو جانا دوسرا امر ہے اسلام دوسری صورت کو گوارہ نہیں کرتا، کسی انسان کو ایسے طریقوں سے کسب معاش کی اجازت نہیں جس میں دوسروں کا ضرر ہو۔

رہ گئی پہلی صورت جس کا تعلق کارخانہ تکوین وتقدیر سے ہے تو اس کے متعلق اسلام کی تعلیمات غیر معمولی ہمدردی انسان پر مبنی ہے اور وہ فطری صلاحیت کی کمی یا قدرتی موانع کی وجہ سے معاشی دوڑ و دھوپ میں ناکام رہ جانے والوں کو ان کی جانب بیچارگی و درماندگی میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ حکومت اسلامی ان کے تکفل کا بار اپنے ذمہ لیتی ہے نیز کامیاب افراد کو اپنے مکسوبہ سامان معیشت میں انھیں باعزت شریک قرار دینے پر معمور کرتی ہے ۔

جناب امیر علیہ السلام نے مالک اشتر والی مصر کو اپنے ایک طویل فرمان میں ہدایت فرمائی:

ثم الله الله فی طبقة السفلی من الذین لا حیلة لهم و المساکین و المحتاجین و اهل البوسی و الزمنی، فان هذه الطبقة قانعا و معترا، و احفظ لله ما استحفظک من حقه فیهم،و اجعل بیت مالک و قسما من غلات صوافی الاسلام فی کل بلد، فان للاقصی منهم مثل الذی للادنی، و کل لک استرعیت حقه، فلا یشغلنک عنهم بطر.........فاعذر الی الله تعالی فی تادیة حقه الیه، و تعهد اهل الیتم و ذوی الرقه فی السن ممن لا حیلة و لا ینصب للمسئلة نفسه و ذلک علی الولاة ثقیل و الحق کل ثقیل و قد یخففه الله علی اقوام طلبوا العاقبة فصبروا علی انفسهم. (نہج البلاغہ: خ:۵۳)

پھر خدا سے ڈرو اس ادنی طبقے کے بارے میں جو بے چارہ غریبوں، مسکینوں محتاجوں

اور آفت رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس طبقے میں قناعت پیشہ فقیر اور مانگنے والے محتاج (دونوں ہی طرح کے) لوگ ہیں، اور اس کے بارے میں خدا کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی نگہداشت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے اور اس کیلئے بیت المال اور نوع اسلام کی ان زمینوں کی غلات میں سے جو غنیمت میں حاصل ہوئی ہیں ہر شہر کا ایک حصہ معین کرو کیونکہ ان میں سے دور کے مقامات میں بسنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا قریب رہنے والوں کا ہے اور تم ہر ایک کے حق کے نگراں بنائے گئے ہو۔ پس تمہیں (دولت وحکومت کا) گھمنڈ ان سے غافلانہ کرنے پائے، اور تم ہر ایک کا حق اس تک پہونچا کر خدا کے سامنے (پیش کرنے) کیلئے عذر مہیا کر لو۔ ان یتیموں اور بوڑھوں کی خبر گیری کرو۔ جو نہ خود اپنی مجبوری کا کوئی چارۂ کار رکھتے ہیں، اور نہ سائل بنکر دوسروں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، یہ بات عام طور سے حاکموں پر گراں ہوتی ہے، اور اللہ عاقبت کا اندیشہ رکھنے والوں کو آسان بنا دیتا ہے۔

فقراء اور افلاس مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے

اسلام کا نظام معاشی اگر چہ مدارج معیشت میں تفاوت جائز رکھا ہے کیونکہ وہ فطرت کا تقاضہ ہے اور اس سے اختلاف فطرت سے بغاوت ہے۔ مگر اس نے اسکا مکمل بندوبست کر دیا ہیکہ نظام اسلامی کے تحت کوئی انسان تنگدست اور ضروریات زندگی کیلئے محتاج نہ رہے، دنیا سے فقر وفاقہ غربت وافلاس کو مٹانا اور خوشحالی وفارغ البالی کو عام کرنا اسکا عظیم ترین مقصد اور نصب العین ہے۔

حاجتمندوں کی قسمیں
اور انکی امداد کا مکمل بندوبست

ان اللہ لا یترک شیئا من صنوف الاموال الا و قد قسمه و اعطی کل ذی حق حقه الخاصة و العامة و الفقراء و المساکین و کل ضرب من صنوف. (تہذیب الاحکام: ج۴، ص۱۳۹)

حدیث میں ہے: خدا نے کسی قسم کے مال کو تقسیم کے بغیر نہیں چھوڑا ہے خواص و عام فقراء و مساکین اور ہر طبقے کے لوگوں میں سے جسکا جو حق تھا وہ اسے عطا کر دیا، ایک دوسری حدیث میں ہے:

لان فقراء الناس جعل ارذاقهم فی اموال الناس علی ثمانیة و لم یبق منهم احد و جعل لفقراء قرابات النبیؐ نصف الخمس فاغناهم به عن صدقات الناس ثم یبق فقیر من فقراء الناس و لم یبق فقیر من فقراء قرابات النبیؐ الا وقد استغنی و هو فقیر. الخ (تہذیب الاحکام: ج۴، ص۱۳۱)

عام حاجت مندوں کی آٹھ قسمیں قرار دیں اور لوگوں سے (بمد زکوٰۃ) حاصل شدہ مالوں میں ان کے رزق مقرر کئے ان حاجتمندوں میں کوئی باقی نہ رہا جسکا حصہ معین نہ کر دیا ہو اور جناب رسالتمآبؐ کے قرابتداروں کیلئے مال خمس کا آدھا حصہ قرار دیا ہے، اور اس طریقے سے ان کو عوام الناس کے صدقات سے بے نیاز کر دیا ہے، لہذا نہ عام فقیروں میں سے کوئی ایسا فقیر رہ جائے اور نہ قرابتداران رسولؐ میں سے کوئی محتاج ایسا باقی رہا جسکو مستغنی نہ کر دیا ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر نظام اسلامی پر دنیا میں صحیح عمل درآمد ہو تو فقراء و افلاس کی کلفتیں باقی نہیں رہ سکتیں، اور درجات کا یہ قابل نفرت تفاوت قائم نہیں رہ سکتا کہ ایک محدود طبقے کے خلاف

انسانیت ہوس پرستی اور حریصانہ دولت طلبی کی بدولت عام بندگان خدا ننگے بھوکے بے خاندان و بے سروسامان ہیں۔

فطری طور پر ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ درجات معیشت کو برابر کر کے سب کو امیر، یا غریب بنا دیا جائے، بلکہ ضروری کام یہ ہیکہ تمام بندگان خدا کو غذا ولباس ومسکن حسب ضرورت نصیب ہو، فکر معاش میں کسی کی زندگی وبال نہ ہو، ہر فرد انسان کو ضروریات زندگی با فراغت میسر آئیں، نظام اسلامی اس بات کا کفیل اور ذمہ دار ہے، اس کے ماتحت عالم انسانیت معاشی کشمکش سے نجات پا سکتا ہے، نظام اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روسن ہو جاتی ہے کہ تقسیم دولت اس کا نہایت ضروری اور عظیم الشان مقصد ہے جسے وہ فطری اصوں کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے نہ کہ غیر فطری طریقوں سے اور زمانہ حاضرہ کے نظام اشتراکیت کے مقابلے میں یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔

سرمایہ داری واشتراکیت کا اسلام سے موازنہ

نظام سرمایہ داری جس کے زمانہ حاضرہ میں ''جمہوریت'' کی پرفریب اصطلاح قرار دی گئی ہے انسان کی خود غرضی، ہوا پرستی حرص آزادرطول کی غیر محدود جولانگاہ اور بے پایاں میدان عمل ہے سرمایہ دارانہ ذہنیت صرف زمین اور اصل سرمایہ کی قیمت قرار دیتی ہے، انسان کی محنت وعمل کی اس کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں، اس دنیا میں شخصی خیر اور ذاتی منفعت کو عام اجتماعی بہبود سے متوافق بنانے کی پروانہیں کی جاتی ہے، ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر شئے کا ایک انجام ہوا کرتا ہے سرمایہ داروں کی چیرہ دستی خواہش قہر وغلبہ اور انسانی ہمدردی سے بے گانگی حقوق عوام سے بے پروائی کا ردعمل شروع ہوا، عوام کے سینے آتشکدہ جذبات انتقام

بن گئے نظام اشتراکیت مرتب ہوا، اور نظام سرمایہ داری سے اسکی جنگ کا آغاز کردیا ہوگیا، اور آج ہماری دنیا پر اس جنگ کے ہولناک خطرات چھائے ہوئے ہیں۔

اس نظام جدید یعنی اشتراکیت کا غیر جانب مطالعہ کرنے والے اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کی بنیاد نوع انسانی کی خیر طلبی سے زیادہ سراسر غیر معتدل جذبہ انتقام پر قائم کی گئی ہے، اس نے اس شعلہ فشاں جذبہ کے ماتحت، زمین، اور اصل سرمایہ۔ کو بحثیت عامل پیدائش سامان معیشت درجہ اعتبار سے بالکل ساقط کردیا، صرف محنت اشیاء کی قدر و قیمت کی بنیاد قرار دی گئی، اسکی نظر میں قدر و قیمت فقط محنت ہی سے پیدا ہوتی ہے اس نظریہ پر بھی بے اعتدالی کا سایہ پڑا، یعنی محنت بھی اصول اشتراکیت کی نظر میں ناگزیر زندگی ہی کا ایک ہلکا سا حق پیدا کرتی ہے جس کو حق ملکیت نہیں کہہ سکتے، جذبۂ انتقام کی افراط شعلہ فشانی نے نہ صرف سرمایہ داری کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ شخصی ملکیت کے حق کا استیصال کر کے وہ فطرت کے خلاف بھی برسر پیکار ہے اگر اشتعال جذبہ انتقام نے عقل کو فکر صحیح سے عاجز نہ کردیا ہوتا تو یہ بات چھپی نہ رہ جاتی۔ کہ سی بیمار عضو کے بہتر تدبیر علاج یہ نہیں ہیکہ اسکو کاٹ دیا جائے بلکہ مناسب فطرت علاج یہ ہیکہ اسلو برقرار رکھتے ہوئے صحت مند بنایا جائے، دراصل انفرادی و شخصی حقوق ملکیت باعث سادھام عیشت نہیں بلکہ انکی لا انتہائی فراوانی، طغیانی، اور اعتدال و توازن کا فقدان تمام مفاسد کا اصل سبب ہے حقوق ملکیت کا استیصال کرنا انسان کے افکار و ہمم اور قوائے عمل کو دعوت جمود و تعطل دیتا ہے اور فطرت کے خلاف جنگ مول لینا ہے، (معلوم ہوا ہیکہ حق تصنیف میں ملکیت بلکہ وراثت کو اب تسلیم کرلیا گیا ہے ممکن ہیکہ مستقبل اور ترقی کرے۔

ضرورت اس بات کی ہیکہ حقوق ملکیت شخصی و انفرادی و منفعت عمومی و اجتماعی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ اسی صورت سے صلاح خاص و عام ممکن ہے

مگراس قسم کا عادلانہ نظام قائم کرنا بت حرص وہوا کے پرستاراور جذبہ انتقام کے طوفانی جہازوں میں سوار انسان کا کام نہیں ہوسکتا۔

اسلام، الٰہی نظام ہے وہ سرمایہ دارانہ مفاسد اور اشتراکیت کے مخالف فطری رجحانات، دونوں کا سدباب کرتا ہے، گہری نظر سے اسکا مشاہدہ کرنے والے یہ محسوس کرلیں گے کہ وہ نظامات عالم کی کی خوبیوں کا حامل اورانکی جملہ فسادانگیز بےاعتدالیوں سے پاک ہے، وہ جہاں شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے وہاں اس سے پیدا ہونے والی فساد کی راہ بھی بند کرتا ہے اور جہاں اشتراکی مساوات کا نظریہ قائم کرتا ہے وہاں اس کا بندوبست بھی کرتا ہے کہ فطرت سے بغاوت اورقدرت سے جنگ لازم نہ آئے قرآن مجید، احادیث، اورفقہ اسلام لی کتابیں موجود ہیں، ان سے اس نظام کی جامعیت واعتدال پسندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس مختصر مضمون میں عام وسائل معیشت کے متعلق صرف چند عام اصول کا تذکرہ ممکن ہے۔

قران مجیداور معاشیات

اما ما جآء فی القرآن من ذکر معاشی الخلق و اسبابها فقد اعلمنا سبحانه ذلک من خمسة اوجه وجه الامارة ووجه العمارة ووجه الاجارة ووجه التجارة ووجه الصدقات. (وسائل الشیعہ ج۹ ص۴۹۰)

اگرچہ قران مجید میں معاشیات کے موضوع پر تفصیل بحث نہیں ہے، اورنہ ہوسکتی ہے کیونکہ وہ معاشیات کی مستقل کتاب نہیں ہے پھر بھی انسان کیلئے جتنے وسائل معاش ہوسکتے ہیں ان سب کو پانچ قسموں میں جمع کردیا ہے، اور ہرایک کی جانب سراحتہ یا اشارۃ انسان کوتوجہ دلائی ہے حضرت امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے: قران مجید میں معاش خلق کے وسائل واسباب کا تذکرہ جو کچھ آیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہیکہ خدانے ان اسباب ووسائل کے پانچ وجوہ قرار دیئے ہیں

(۱)وجہ امارہ(۲)وجہ عمارہ (۳)وجہ اجارہ(۴)وجہ تجارت)۵)وجہ صدقات۔

وجہ امارت و وسیلۂ حکومت

وجہ الامارۃ سے حضرت کا مقصد یہ ہیکہ حکومت و سلطنت کا نظم ونسق اور خدمت ملک و ملت بھی معاش کا ایک ذریعہ ہے اس مطلب کی پوری توضیح تو اس وقت ہوسکتی ہے جبکہ اسلامی نظریہ حکومت و امارت کو زیر بحث لائیں، جو اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے، تاہم صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ اسلام دنیا میں کس قسم کی حکومت پسند کرتا ہے، اور کس طرح کی حکومت سے اس کو نفرت ہے۔

طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ۔اسلام کی پسندیدہ حکومت

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج:۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم انھیں زمین میں طاقت دیدے تو وہ نماز قائم کریں گے:۔ زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے۔اور بری باتوں سے روکیں گے۔اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اسلام کی نظر میں قابل نفرت حکومت کے اوصاف

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲۰۵)وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (البقرہ: ۲۰۶)

اور جب حاکم بنتا ہے تو زمین میں اس کی اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہیکہ فساد پھیلائے ،اور کھیتی اور نسل انسانی وحیوانی) کو ہلاک کرڈالے اور خدا فساد کو پسند نہیں کرتا ،اور جب ان سے کہا جاتا ہیکہ خدا کا خوف کرو تو اسکو عزت (کا جھوٹا فخر وغرور) پکڑ کر گناہ میں لگا دیتا ہے،تو اس کیلئے دوزخ ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بری جگہ ہے۔

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول
تعاون علی البر والتقویٰ

وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلا تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدہ :۲)

ایک عام قرآنی اصول جو تمام وسائل معیشت کے اندر جاری وساری ہے یہ ہے، کسی قوم کی یہ دشمنی کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام (میں جانے) سے روکا تمکو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) زیادتی کرنے لگو،ور (تمہارا تو یہ طریقہ ہونا چاہئے) کہ نیکی اور پرہیز گاری ہر ایک دوسرے کی مدد کرو ،اور گناہ وزیادتی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو ،اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا (بدی کی) سخت سزا دینے والا ہے۔

وجہ عمارۃ''
یعنی زمین کی آبادی کے ذریعہ سے معاش حاصل کرنا

وجہ عمارۃ کے متعلق حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

واما وجه العمارة فقوله هو انشاكم من الارض واستمر كم فيها فاعلمنا سبحانه قد اصولهم بالعمارة ليكون ذالک سببا لمعاشهم بما يخرج من الارض ،من الحب والثمرات وما شاكل ذلک مما جعله الله تعالىٰ

معایئش للخذ (بحار)

وجہ عمارۃ'' یعنی آباد کاری کے ذریعہ کے بارے میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ ھو انشاکم من الارض واستعمر کم فیھا ۔(ھود:۶۱)

(اسی خدا) نے تم کو زمین پر پیدا کیا اور تمکو اس میں بسایا۔) خداوندعالم نے اس آیت یہ بتایاہیکہ انسانوں کو اس کا یہ حکم ہے کہ زمین کو آباد کریں۔ تا کہ زمین سے پیدا ہونے والے غلے اور پھل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں خلق کیلئے اسباب معیشت بنیں۔

حاصل کلام امامؑ یہ ہے کہ زمین معاش انسانی کا مخزن ہے۔ خداوندعالم نے کھیتی کرنے باغ لگانے اور شریف طریقوں سے معاش حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

اورکلام ربانی '' ھو انشاء کم من الارض واستعمر کم فیھا ''میں منشاء خداوندی کا اظہار اور اسی امر ربانی کا اعلان ہے۔

زمین اور زراعت

زمین کے متعلق اسلام کے معاشی نظام کا نصب العین اشتراکی ہے اور وہ مندرجہ ذیل اصول پر قائم لیا لیا ہے۔

اول . الارض للہ .دوم ، الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من نفع عیال اللہ ۔(مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۸۹)

اول ۔ زمین خدا کی ہے، دوم ۔ خلق عیال خدا کا ہے اور خلق اللہ میں خدا کو سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جا عیال خدا کو نفع پہونچائے ،سوم ۔ بندگان خدا کو ضرر پہونچانے سے بڑا کوئی شر نہیں ہے۔

ارشادنبویؐ ہے، سوم ، خصلتان لیس فوقھما شر ا لشرک باللہ والاضرار بعباد اللہ .(مستدرک الوسائل: ج ۱۱ ص ۱۲۵)

دو بری باتیں ایسی ہیں جنسے بالا تو کوئی اور شر نہیں (۱) شرک باللہ (۲) بندگان خدا کوضرر پہونچانا۔

چہارم۔ انسان کی محنت اور اسکا عمل قابل احترام ہے اور اس کو اپنی محنت کے پھل سے صرف انتفاع ہی کا مجاز نہ کیا جائے، بلکہ اس پر مالکانہ حیثیت سے ہر طرح کے تصرف کا حق ملنا چاہیئے اشترا کیت کی سبب سے بڑی پست نظری یہ ہے کہ وہ دنیا کو انسان کے لئے جنت آدم بنانا چاہتی ہے جہاں اجازت انتفاع تو ہو مگر حق ملکیت وتصرف مالکانہ شجرہ ممنوعہ ہو اس کے برعکس اسلام انسان کو یہ بتاتا ہے کہ تم آخرت کی طرح دنیا کے بھی مالک ہو دنیا میدان عمل ہے، بقدر حوصلہ حدود مقررہ کے اندر سعی ومحنت کروگے، تو اسکے ثمرات کے مالک ہوگے۔

دوسروں کے ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے والے اصول

دنیا کے میدان عمل میں دوسروں کی ثمرات محنت پر دست درازی کا سد باب کرنے کیلئے دو اصول بتائے۔

اول۔ وَأَن لَّيۡسَ لِلۡإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم: ۳۹)
انسان کے لئے بس وہی ہے جس وہ کوشش کرتا ہے۔

دوم۔ من سبق الیٰ ما لم یسبقه الیه المسلم فهو احق به.
جو آدمی اس چیز کی طرف سبقت کر جائے جس پر اس سے پہلے کوئی مرد مسلم سابق نہ ہوا ہو تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار قرار پائے گا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۷ ص ۱۱۲)

زمین کے اقسام اوران کے احکام پہلی قسم

’’موات بالاصالۃ‘‘

شریعت اسلام میں باعتبار حالات زمین کی کئی قسمیں قرار دیکر ہر ایک کے احکام جداگانہ بیان کئے گے کتاب مکاسب میں ہے۔

الارض اما موات و اما عامرة فكل منهما اما اصيلة او عرض لها ذلك فالاقسام اربعة لا خامس لها.

زمین بنجر (غیر آباد ہوتی) ہے یا آباد ہے اور یہ دونوں وصف اسکے اصل ہیں یا عارض ہوئے ہیں لہذا زمین کی چار قسمیں ہوتی ہیں پانچویں کوئی قسم نہیں۔

پھر ہر قسم کی تعریف اور اسکا حکم شرعی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔:

الاول ما كان موات بالاصالة بان تكن مسبوقة بالعمارة و لا اشكال و لا خلاف ما ف[illegible] كونها للامام نعم البيع التصرف فيها بالاحياء بلا عوض.

پہلی ق[illegible]ده زمین ہے جو اصالۃ بنجر ہو، اور وہ آباد ہونے کے بعد مردہ نہ ہوتی ہو، اس میں کوئی [illegible]ں ہے نہ اختلاف کہ اس طرح کی زمین امام کی ملکیت ہوگی۔ ہاں اس میں بغیر کسی عوض کے تصرف آبادکاری کے ذریعہ مباح ہے۔

اس کلام سے دو باتیں ظاہر ہوئیں:

۱) موات بالاصالۃ۔ وہ زمین ہے جو ابتدا سے بنجر اور ویران ہو اور کسی کی مملوکہ و مقبوصہ نہ ہو۔

۲) اس طرح کی زمین قانونی طور پر خدا کے حکم سے نمائندۂ حکومت الہیہ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین امامؑ کی ملکیت ہوگی۔ مگر اس کو آباد کرنے اور مزروعہ بنانے

اوراس سے منتفع ہونے کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت عام ہے اوراس پر احادیث نبویہ شاہد ہیں۔

غیرآباد یعنی بنجر زمین کے معاملہ میں اسلام کا نظریہ اشتراکی

موتات الارض لله و رسوله ثم هي لکم منی ایها المسلمون

بنجر زمین دراصل خدا ورسول کی ملکیت ہے۔پھراے مسلمانو!وہ تمہارے لئے ہے۔

اسلام کا کمال وسعت نظر۔ہرقوم کے لئے تصرف مالکانہ کا اذن عام

اگرچہ اس حدیث میں خطاب اہل اسلام سے ہے،مگر دوسری حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنجر زمینوں کی آبادکاری اورملکیت کے متعلق شریعت اسلام کا نظریہ مذہب وملت ی تفریق سے بالاتر ہے۔وہ ہرانسان کو بلاتفریق مذہب وملت اس قسم کی آراضی کوآباد کرنے اور مالکانہ حق انتفاع پیدا کرنے کا اذن عام دیتا ہے۔وہ احادیث یہ ہیں:

ا)ایما قوم احیوا شیئا من الارض و عمروها فهم احق بها و هی لهم

جس قوم نے کسی زمین کوآباد کیااور بسایا تو وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہوں گے اور وہ(زمین)انھیں کا حق ہوگی۔(الکافی:ج۵،ص۲۷۹)

۲) من احیی ارضاً مواتاً فهی له. (تهذیب الاحکام:ج۷، ص۱۵۲)

جس نے کسی بنجر زمین کوآباد کیاتو وہ اس کے ہوگی۔

۳) من غرس شجرا اوحفر وادیا بداء لم یسبقه الیه احد ، و احیی ارضاً میتة فهی له قضاء من الله و رسوله. (الکافی:ج۵،ص۲۸۰)

جس نے درخت لگایا یا(زمین) کھود کر پانی کا راستہ بنایااوراس کام میں اس نے پہل کی۔اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا،اورمردہ زمین کوزندہ کیاتو بحکم خدااوررسولؐ یہ چیزیں اسی

کی ملکیت ہوں گی۔

۴) سألت ابا عبدالله علیه السلام عن شراء الارضین من اهل الذمة فقال لا بأس بأن یشتری منهم اذا عمروها و احیوها فهی لهم و قد کان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حین ظهر علیٰ خیبر و فیها الیهود خارجهم علی امر و ترک الارضین فی ایدهم یعملونها و یعمرونها. (تهذیب الاحکام: ج۷، ص۱۴۸)

میں نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اہل ذمہ (یھو دونصاریٰ) سے زمین خریدنے کا حکم کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا ان سے خریدنے میں کوئی مزائقہ نہیں، جب انھوں نے اس کو بسایا آباد کیا تو وہ ان کی ملک ہوگئی۔ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین کا معاملہ یہود سے کرلیا تھا اور انکو انھیں کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا کہ ان سے روزی کمائیں اور انکو آباد رکھیں۔

معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں

علامہ مجلسیؒ نے شرح حدیث میں فرمایا ہے، تفصیل القول فی ذلک ما ذ کره الشهید الثانیؒ حیث قال من احیی ارضا قصد تمکله فی غیبة الامام یملکه فی ذلک المسلم والکافر لعموم من احیاها.

تفصیل قول اس بارے میں وہ ہے جس کا ذکر شہید ثانیؒ نے کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ زمانۂ غیبت امامؑ میں جس نے کوئی زمین آباد کی اور اسکو اپنی ملکیت میں لینے کا ارادہ کیا تو وہ اسکا مالک ہوجائے گا اس بارے میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں، کیونکہ حدیث میں لفظ، من احیاها ، عموم دلالت کرتا ہے ۔

ولا یقدح فی ذلک کونها للامام یکون سائر حقوقه کذالک فی

ایدی الناس علی جھة الملک.(شرح فروع کافی جلد ۳ ص ۴۲۹)

اس زمانہ کا مملوکہ امامؑ ہونا اس بارے میں (یعنی دوسروں کی ملک بننے میں) مانع نہ ہوگا کیونکہ امامؑ کے سارے حقوق ہی اسی طرح بعنوان ملکیت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی دوسری قسم

الثانی ما کانت عامرة بالاصالة ای لا من معمر والظاهر انه ایضا للامامؑ ...وهو ظاهر اطلاق قولهم و کل ارض لم یجر علیها ملک مسلم فهو للامام هل یملک هذه بالحیازة؟ وجهان: من کونه مال الامام ر من عدم منافاته للتملک بالحیازة کما یملک الاموات بالاحیاء مع کونه مال الامام فدخل فی عموم النبوی من سبق الیٰ ما لم یسبق الیه مسلم فهو احق به.

(دوسری قسم) وہ زمین ہے جو بالاصالہ بغیر کسی کے آباد کئے ہوئے قدرتی طور پر آباد ہو، ظاہر ہے کہ اس قسم کی زمین بھی امامؑ ہی کی ملکیت ہوگی۔ اس حدیث (ہر وہ زمین جس پر کسی مسلم کی ملکیت نہ جاری ہوئی ہو وہ مملوکہ امامؑ ہوگی) کے اطلاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اب رہ گیا یہ امر کہ وہ بغرض نہگداشت قبضہ کر لینے سے کسی کی ملکیت بنجاتی ہے یا نہیں تو اس کے متعلق دو وجہیں ہیں (۱) اسکا مال امامؑ ہونا اور (۲) اس بات کا بوجہ حیازۃ، کسی کی ملکیت بن جانے کیلئے منافی نہ ہونا (یعنی مال امام ہوتے ہوئے وہ زمین اس شخص کی ملکیت میں آجائے گی۔ جو اس پر تصرف کریگا اور وہ اس حدیث بنویؐ کے عموم میں داخل ہوجائے گا کہ جو آدمی کسی ایسی شئے کی طرف سابق ہوگا، جس پر کسی مسلم نے پہلے سے قبضہ نہ کیا ہو وہ

اسکا زیادہ مستحق ہوگا۔

اس کلام سے بھی دو باتیں ظاہر ہوتیں ہیں:

(۱) عامر بالاصالہ" وہ زمین ہے جو قدرتی طور پر آباد اور بغیر کسی آباد کرنے والے کی محنت وسعی کے پیداوار سے مالامال ہو اس قسم کی زمین بھی نمائندۂ حکومت الٰہیہ امامؑ کی ملکیت ہوگی۔

(۲) اس پر قبضہ کرنے اور اپنی نگرانی وحیازۃ میں لے لینے کا اذن عام ہو، ہر شخص حق "حیازۃ" کی بنا پر اسکا مالک قرار پا سکتا ہے، اور اس بارے میں زمین کا رسولؐ وامامؑ کی ملکیت ہونا مانع نہ ہوگا، جس طرح بنجر وافتادہ زمین بنابر حق آبادکاری مال امامؑ ہونے کے باوجود آباد کرنے والے کی مملوکہ بن جاتی ہے، وہی صورت اس زمین کی بھی ہوگی۔ جو عامر بالاصالہ ہے، اور وہ اس قانون عام کے اندر داخل ہوگی جو اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے کہ:

من سبق الیٰ ما لم یسبق الیه مسلم فهو احق به .

زمین کی تیسری قسم

الثالث: ما عرض له الحیات بعدالموت . هو للمحیی فیصیر ملکا له اما بشروط المذکورة فی باب الاحیاء. (المکاسب: ج ۴ ص ۱۷)

وہ زمین جو بنجر رہنے کے بعد آباد ہوئی ہو اس قسم کی زمین کا حکم یہ ہے:۔ وہ اس شخص کی ملک ہوگی جس نے اسے آباد کیا مگر ان شرائط کے ساتھ جو احیاء موات (مردہ زمینوں کی آبادکاری) کے باب میں مذکور ہے۔

زمین کی چوتھی قسم

الرابع: ما عرض له الموت بعد العمارة. (المکاسب: ج ۴ ص ۱۷)

جو آباد رہنے کے بعد بنجر ہوگئی ہو اس زمین کا حکم یہ ہے:

فان کانت العمارة الاصلية فهي مال الامام و ان كانت العمارة من معمر ففي بقائها علىٰ ملک معمرها او خروجها عنه و صيرورتها ملكا لمن عمرها ثانيا خلاف معروف في كتاب احياء الاموات.

اگر اس زمین کی آبادی اصلی ہے وہ مال امامؑ ہوگی، اور اگر کسی دوسرے آباد کرنے والوں کی محنت سے آباد کی گئی ہوگی تو زمین کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ پہلے آباد کرنے والے کی ملکیت پر باقی رہے گی یا اس کی ملکیت سے نکال کر دوسرے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی۔

ممالک مفتوحہ کی آراضی کے متعلق نظریہ اشتراک، ارض خراج کا حکم

ممالک مفتوحہ کی آبادی و مزروعہ آراضی کا حکم بھی نظریہ اشتراک و مساوات پر مبنی ہے ۔یعنی وہ تمام اہل اسلام کے مشترک ملکیت ہوگی، اس قسم کی زمین کو اصطلاح فقہ اسلامی میں ارض الخراج کہتے ہیں شرائع اسلام اور اسکی شرح جواہر الکلام میں ہے۔

كيف كان فلا خلاف اجده في ان عامر الارض المفتوحه عنوة و قهرا وقت الفتح للمسلين قاطبة بلا خوف ...فلا يملک احد منهم بالخصوص رقبتها فلا يصح لاحدمنهم بخصوصه منهم فضلا عن غيرهم بيعها ولا رهنها ولا هبتها ولا غيرذلک مما يتوقف صحته علىٰ الملک...فلو ماتت لم يصح احياء ها على وجه يترتب عليه الملک للمحى لان المالک لها بغير احياء معروف وهو المسلمون قاطبة.

میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ وہ زمینیں عام مسلمانوں کی ملکیت ہوگی جو طاقت وغلبہ سے فتح کی گئیں اور بوقت فتح آباد تھیں، کوئی خاص مسلمان ان کا مالک نہ ہوگا (اور وہ کسی کی شخصی ملکیت نہ ہوگی) لہذا مسلمانوں میں سے کسی ایک کیلئے اس کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا یا ہبہ کرنا اور اس طرح دوسرے تصرفات جس کی صحت ملکیت ہونے پر موقوف ہے صحیح نہ ہوگے اور اسی قسم کی زمین اگر بنجر ہو جائے تو اسی طریقے پر سے آباد کرنا صحیح نہ ہوگا، کہ آباد کرنے والے کی ملکیت قرار پائے کیونکہ اس کے مالک تو معلوم ہیں، اور جملہ اہل اسلام ہیں۔(شرائع الاسلام: ج ۳۸ ص ۱۸)

ارض خراج کی ملکیت کی خاص نوعیت

یہ بات واضح ہے کہ بلاد مفتوحہ کی آبادی ومزروعہ آراضی عام مسلمانوں کی ملکیت ہوگی، مگر فقہاء نے تصریح کی ہیکہ اس ملک کی حیثیت دوسری املاک سے جداگانہ ہے۔

صاحب مکاسب فرماتے ہیں،

نھا غیر مملوکة لملاکھا علی نحو سائر الاملاک فھذہ الملکیة نحو مستقل من الملکیة قد دل علیہ الدلیل ومعناھا صرف حاصل الملک فی مصالح الملاک .(المکاسب: ج ۴ ص ۱۱)

وہ زمینیں اپنے مالکوں کی ملکیت دوسرے املاک کی طرح نہیں ہوگی بلکہ یہ ملکیت کا ایک مستقل عنوان جداگانہ ہوگا جس پر دلیل شاہد ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ ۔املاک کی امدنی مالکوں کی مصلحتوں میں صرف کی جائے (وہ زمین اس معنی سے تمام مسلمانوں

کی ملکیت ہوگی کہ ان کی آمدنی ان لوگوں کی مصالح عام میں صرف کی جائے)۔

معلوم ہوا کہ ارض خراج اس معنی سے عامہ مسلمین کی ملکیت ہے کہ اس کی آمدنی زیر نگرانی اسلامیہ تقویت دین واستحکام مملکت اور مصالح عامہ ورفاہ عام کے دوسرے کاموں میں خرچ کی جائیگی، اور نظام مصالح عامہ سے جو فاضل رقم بچ جائیگی، نمائندۂ حکومت الٰہیہ یعنی امامؑ کا اسمیں کوئی حق نہ ہوگا۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں: لیس لنفسه من ذلک و قلیل ولا کثیر.

امامؑ کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔

آراضی مفتوحہ سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی، مقدار خراج کی بابت اسلام کا منصفانہ نظریہ

اراضی الخروج یعنی ممالک مفتوحہ کی زمینوں کے متعلق اسلامی نظریہ ہیکہ وہ سابق کاشتکاروں اور آباد کرنے والوں ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جائے گی، ایک حدیث میں ہے۔

والارض التی اخذت عنوہ بخیل و رجل فھی موقوفة متروکة فی ید من یعمر ھا ویحییھا و یقوم علیھا علیٰ ما یصالحھم الوالی علی قدر طاقتھم من الحق النصف او الثلث او الثلثین علی قدر ما یکون لھم صلاحا ولا یضربھم. (الکافی: ج۱،ص ۵۴۱)

وہ زمین جو فوجی طاقت سے حاصل کیجائے گی وہ وقف عام ہے، اور اسکے آباد کرنے

والوں ہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائے گی اور حاکم اسلام انکی طاقت پر نظر کر کے یا نصف یا ایک ثلث یا دو ثلث غرض خراج کی وہ مقدار طے کریں گے جو ان کاشکاروں کے لئے مناسب حال ہے، اوراس سے ان کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم اسلامی اراضئ مفتوحہ کا بندوبست انہیں لوگوں کے ساتھ کریں جن کے ہاتھوں میں وہ پہلے سے ہوگی، اور اس بندوبست میں اس بات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کہ خراج ان لوگوں کی طاقت برداشت سے باہر نہ ہونے پائے ایسی مقدار خراج نہ ہو جو ان کے واسطے باعث ضرر بن جائے۔

غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت

شریعت اسلام آراضی مفتوحہ کو سابق کاشتکاروں کے ہاتھوں ہی میں رکھے جانے کا حکم نہیں دیتی۔ بلکہ وہ ان کاشتکاروں کیلئے بھی حق تصرف مالکانہ تجویز کرتی ہے۔

یعنی انکو ان زمینوں کی خرید وفروخت کا بھی اختیار دیتی ہے۔ اس طرح آراضی مفتوحہ کے مالک دو ہو جائے ہیں، (۱) مالک اعلیٰ یعنی تمام مسلمین (۲) مالک ادنیٰ یعنی کاشتکار جن کے ہاتھوں میں وہ فتح سے پہلے تھیں اور بعد میں رہیں گی، کسی مسلم کو انھیں انکے حق ملکیت سے محروم کرنا جائز نہیں ہے البتہ ان سے ان زمینوں کو خرید سکتا ہے، مگر جو لگان وہ لوگ ادا کرتے تھے۔ وہ خریدنے والے کے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا۔

سألت ابا عبد الله عن شراء الارض من ارض الخراج فكرهة قال انما ارض الخراج للمسلمين فقالوا اليه يشتربها الرجل و عليه خراجها فقال لا باس الآن يستحيي من عيب ذلک. (تهذيب الاحكام: ج ۷، ص ۱۴۸)

میں نے جب عبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ خراج کی زمین کا خریدنا کیسا ہے؟ تو حضرت نے اس کی کراہت ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ زمین خراج تو جملہ مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے لوگوں نے عرض کی کہ مشتری اس شرط پر خریدے گا کہ اس زمین کس خراج (سابق غیر مسلم کاشتکار کی طرح) اسکے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا، تو فرمایا اس صورت سے خریدنے میں مضائقہ نہیں۔ اگر اس کو خراج کے عیب سے شرم نہ آتی ہو۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں:

و ظاهره كما ترى عدم جواز بيعها حتى بيع الا ثار المملوكة فيه على ان تكون جزء من المبيع فيدخل فى ملك المشترى نعم يكون للمشترى علىٰ وجه كان للبايع اعنىٰ مجرد الاولوية و عدم جواز مزاحمة.

جیسا کہ تم دیکھتے ہو ظاہر حدیث یہ ہیکہ اس زمین کا بیع کرنا جائز نہیں حتی کہ اگر اسمیں کچھ ایسے آثار (مثلاً درخت مکان وغیرہ) ہیں جو کسی کی ملکیت ہیں تو ان کے مالک کو ان آثار کے ساتھ اس زمین کے فروخت کا اختیار نہ ہوگا ۔ کہ وہ بھی ان کو ساتھ خریدنے والے کی ملکیت بنجائے ۔ البتہ خریدار کا اس زمین پر وہی حق ہوگا جو بیچنے والے کا تھا ۔ یعنی اولیہ (بہ نسبت دوسرے کے ان کو حق انتفاع زیادہ ہونا) اور منفعت حاصل کرنے میں اس کی مزاحمت وممانعت جائز نہ ہوتا۔ (کتاب مکاسب: ج ۴ ص ۲۲)

لگان و مالگذاری زمین کی اجرت ہے اس کی تعین کاشتکار کی رضامندی پر موقوف ہے

ليس للخراج قدر معين ميل المناط فيه ما تراضى فيه السلطان و مستعمل الارض لان الخراج هى اجرة الارض فينوط برضى الموجر و

المستاجر..(کتاب مکاسب:۷۷)

خراج یعنی زمین کی لگان کی کوئی معین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات سلطان اسلام اور زمین کے عالموں کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے۔اس لئے کے خراج زمین کی اجرت ہے اور اجرت کا معاملہ موجر اور مستاجر (مالک اور کرایہ دار) کی باہمی رضامندی پر موقوف ہوا کرتا ہے۔

یہ حکم ظاہر کرتا ہیکہ شریعت اسلام حکومت اسلامیہ اور اہل خراج یعنی کاشتکاروں کے درمیان تعیین خراج کا معاملہ دو برابر کے شریکوں کی طرح طے کرنا چاہتی ہے حکومت خود اپنی طرف سے کوئی مقدار خراج مقرر کر کے انکو ادا کرنے پر مجبور نہیں کرے گی ۔ بلکہ اسکا تعین فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوگا معمول دنیا یہ رہا کہ حکومتیں خود زمینوں کی حیثیت اور انکی مقدار لگان و مالگذاری مشخص و معین کرتی ہے زمینداروں اور کاشتکاروں کی رضامندی اسمیں شرط نہیں ہے۔انکے معاملات مؤجر و مستاجر کی مساوی حیثیت کے اصول پر قائم نہیں ہوتے ، بلکہ حاکم اور رعایا کی حیثیت سے طے کئے جاتے ہیں، دنیا میں امت اسلامیہ کی یہ واحد مثال ہے کہ وہ کاشتکاروں کے برابر شریک کی حیثیت دے کر انکے رضامندی کے بغیر تشخیص مالگذاری و خراج کا معاملہ خود حاکمانہ طریقے پر طے نہیں کرنا چاہتی بلکہ تراضی طرفین اس معاملہ کی بنیادی شرط قرار دیتی ہے، اس طرز عمل سے ظاہر ہے کہ نظام اسلامی کاشتکاروں کو کتنی اہمیت دیتا ہے، اور اس کی نظر میں اس طبقے کی کتنی عظمت ہے، اسکا طریقہ کار جاگیرانہ نظام سے کتنا مختلف ہے۔

ایک ضروری امر کی توضیح

احادیث منقولہ بالا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ زمین کے بعض اقسام کا رسولؐ و امامؑ کی ملکیت ہونا اور ریاست کا حق قرار پانا عامۃ الناس کے حق انتفاع میں مزاحم و خلل انداز

نہیں ہوتا، ان زمینوں کی نوعیت شاہی جاگیر اور سلاطین کی زیادتی املاک اور صرف خاص کی جائدادوں کی نہیں ہوتی، جن میں رعایہ کا کوئی حق نہیں ہوتا، ور وہ محض ان کے شاہانہ وامیرانی جاہ وجلال کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہوں اور محض ذاتی عیش وعشرت کا سامان مہیا کرتی ہوں، بلکہ وہ بھی ریاست اسلامیہ ہی کی ملکیت ہوتی ہے اور ان کا تعلق بھی مفاد عامۃ خلائق سے ہوا کرتا ہے، چونکہ شریعت اسلامیہ نے بعض اقسام آراضی کو ملک عامہ مسلمین قرار دیا ہے اور ان کو سلطنت اور رعایہ کے عام مصالح کیلئے مخصوص کر دیا ہے اور مملکتی ضرورتی سے فاضل رقم میں ''تقسیم بالسویہ'' کا اصول تجویز کیا ہے جس کی رد سے وہ ہر خاص وعام، ہر امیر وغریب پر مساوی تقسیم کی جائے گی، لہذا امیر حکومت اسلامیہ کی قانونی حیثیت ان زمینوں کے بارے میں محض متولی ونگرانی کی قرار دی گئی ہے۔ جس کا کام خراج اصول کرنا اور مصالح عامہ میں خرچ کرنا اور فاضل رقم کو عام مسلین پر بالسویہ تقسیم کر دینا ہے۔

یہ ظاہر ہیکہ عام ملکی ضرورتوں کے علاوہ رعایا کی کچھ خاص ضرورتیں بھی ہوتی ہے۔ جو والی ریاست وحکومت سے متعلق ہوتی ہے اور ان میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے اختیار از روئے قانون وسیع رکھے جائیں تا کہ حسب ضرورت و مصلحت مناسب عملدر آمد کر سکے۔ اس واسطے زمین کے بعض اقسام کو والی حکومت یعنی رسولؐ وامامؑ کی خاص ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس پر اور ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہے۔

امیر ریاست اسلامی کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں

یتیموں کی پرورش بیواؤں کی امداد اور قرضوں کا ادا کرنا، النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (سورۂ احزاب) کی تفسیر میں منقول ہے۔ (تفسیر صافی):

فلما جعل الله النبیؐ ابالمومنین الزمه مؤنتهم و تربية ايتامهم فضد ذلک صعد رسول اللهؐ المنير من ترک مالا فلورثته و من ترک دينا او ضياعا فعلی و الی فالزم الله ينيه ما يلزم الوالد للولد و كذلک الزم امير المومنينؑ واالزم رسولؐالله من بعد ذلک و بعد الائمة واحدا واحدا .

جب خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کا باپ قرار دیا تو ان کی کفالت اور ان کے یتیموں کی پرورش بھی ان پر لازم کردی جب ایسا ہوا تو جناب رسالتمآب منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا جو شخص کوئی مال چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ جو آدمی قرض یا تباہ حال عیال چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور میری طرف (یعنی اداء قرض اور تربیت عیال کا میں ذمہ دار ہوں) تو خدا نے اپنے رسولؐ پر وہ بات فرض کی جو باپ پر بیٹے کے حق میں فرض ہوتی ہے اسی طرح امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے امامؑ پر وہ امر لازم کیا جو رسولؐ خدا آپ پر فرض کر گئے تھے اور یہی آئمہؑ میں یکے بعد دیگرے جاری رہا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۴)

کس قسم کے دیون کا ادا کرنا حاکم شرع کا فرض ہے؟

حضرت امام صادقؑ کا ارشاد ہے: من كان له على رجل مال اخذه ولم ينفقه فی اسراف او فی معصية فعسرعليه ان يقضيه فعلی من له المال ان ينظره حتی يرزقه الله فيقضيه واذا كان الامام العادل قائمافعليه ان يقضی عنه دينه لقول رسول اللهمن ترک مالا فلورثته ومن ترک دينا او ضياعا فعلی و علی الامام ما ضمنه الرسولؐ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۴۱۰)

جس شخص کا کسی پر قرض ہو جس کو قرضدار نے فضول خرچی اور خدا کے گناہ میں صرف نہ کیا ہو اور اس کا ادا کرنا تنگدستی کی وجہ سے دشوار ہو جائے تو صاحب مال کو اسے مہلت دینا اور اس وقت

یک انتظار کرنا لازم ہے کہ خدا اس کو وسعت رزق دے۔ اور وہ قرض ادا کرکے اور امام عادل اگر برسر حکومت ہوں تو ان کا فرض ہوگا کہ اس شخص کا قرض ادا کرے کیونکہ جناب رسولؐ خدا کی حدیث ہے، من ترک مالا . الخ. جو شخص مال چھوڑے کا تو وہ اس کے ورثہ کا ہوگا اور اگر قرض یا تباہ حال عیال چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور امامؑ پر وہ ذمہ داری ہوگی جو رسولؐ نے ان پر عائد کی ہیں۔

نیز مروی ہے، الامام یقضی عن المومنینؑ الدیون امامؑ مومنین کے قرضے ادا کریں گے

خود کاشت کرنے کی ہدایت

اسلامی نظام معیشت ہر آدمی کو یہ حکم دیتا ہے کہ مملوکہ اور مقبوضہ آراضی میں خود کاشت کرے، اور خود باغ لگائے۔ حدیث میں ہیکہ جناب رسالتمآبؐ زمین کے مالکوں سے سرمایا کرتے تھے ازرع فی ارضک، خود کاشت کرو۔ کان یعمل بیدہ ،حضرت اپنے ہاتھ سے کام کاج کیا کرتے تھے۔

قانون مزارعت

لیکن خود کاشت نہ کرنے کی صورت میں لگان یا بٹائی پر دوسرے شخص کا معاملہ کر لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کو اصطلاح فقہ اسلام میں مزارعہ کہتے ہیں:۔

حدیث نبویؐ ہے: لا باس بالمزارعة بالثلث و الربع و الخمس واقل و اکثر مما یخرج اذا کان صاحب الارض لا یاخذ المزارع الا بما اخرجت. مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ پیداوار کے تیسری چوتھے پانچویں حصے یا اس کے کم یا زیادہ پر بھی طے کرنے میں مضائقہ نہیں۔ مگر مالک زمین کو کاشتکار سے اپنی زمین کی پیداوار ہی سے وصول کرنے کا حق ہوگا۔ (مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۴۶۵)

مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کے پیداوار سے متعلق ہوگا

جناب صدوق ابن بابویہ نے فرمایا: لا باس ان تستاجر الارض بدرهم (و) بدارهم و تزارع الناس علی الثلث والربع او اقل او اکثر اذا کنت لا تاخذ الرجل الا بما اخرجت ارضک. (تهذیب الاحکام: ج۷، ص۱۹۴)

اس میں مضائقہ نہیں کے تم زمین نقدی لگان پر اٹھادو، یا مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ تہائی چوتھائی یا اور اس سے کم وپیش غلے پر کرلو، جبکہ تم اس آدمی سے جس سے معاملہ کیا ہے اپنی زمین کی پیداوار ہی میں سے وصول کرو۔

اسلام کا قانون مزارعت نظام جاگیرداری نہیں یہ کاشتکاروں کا حامی اور نظام عدل ومساوات ہے

اسلامی، مزارعت، کو اس قسم کی جابرانہ وظالمانہ معاملہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے جو ہندوستان یا دوسرے ممالک میں عام طور سے زمین دار و کاشتکار کے درمیان ہوتا ہے بلکہ وہ ایسا معاملہ ہے جس میں جانبین کے حقوق از روئے انصاف معین اور محفوظ ہوتے ہیں مالک زمین اور کاشتکار دونوں کا اشتراک ومساوات کا درجہ اس معاملہ کی روح سے ہے، اس کے شرائط واحکام جو فقہ اسلامی کی کتابوں میں مذکور ہیں میرے اس بیان پر شاہد ہیں، اس مختصر سے مضمون میں ان کو نقل کرنا مناسب نہ ہوگا، البتہ چند شواہد یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو یہ ثابت کردینے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام کا عادلانہ نظام کاشتکاروں کا جتنا حامی و ہمدرد ہے اس کی مثال عالم کے جاگیرانہ وزمیندارانہ نظامات میں نہیں مل سکتی۔

کسانوں کے حقوق کا تحفظ، وقت وفات شارع اسلام کی وصیت کاشتکاروں پر ظلم نہ ہونے پائے، مقررہ لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے بیگار کی ممانعت

علی الازرق راوی ہیں: سمعت ابا عبد الله یقول وصی رسول الله علیا عند وفاته فقال یا علیؑ لا یظلم الفلاحون بحضرتکم و لا یزاد علی الارض و صنعت علیها و لا سخرت علی مسلم یعنی الاجیر. (الکافی: ج۵، ص۲۸۴)

میں نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو بوقت وفات وصیت فرمائی کہ اے علیؑ، کسانوں پر تمہارے روبرو کوئی ظلم نہ ہونے پائے اور نہ زمین کا مقررہ لگان بڑھایا جائے اور نہ کسی مسلم اجیر سے بیگار کی جائے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان کاشتکاروں کی حمایت میں بیگار اور نذرانہ کی ممانعت

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کان الامیر المومنینؑ ئکتب الیٰ عماله لا تسخروا المسلمین و ماسألکم غیر الفریضه فقد اعتدی فلا تعطوه و کان یکتب یوصی بالفلاحین خیرا. (وسائل الشیعه: ج۱۹ ص۶۲)

حضرت امیر المومنینؑ اپنے عمال کو یہ فرمان بھیجا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بیگار نہ لیا جائے (پھر کاشتکاروں سے خطاب فرماتے تھے کہ) جو کچھ واجب الادا لگان کے ماسوا تم سے مانگا جائے وہ زیادتی وظلم ہے، تم وہ مانگنے والے کو نہ دینا، اور آپؑ اپنے فرمانوں میں کاشتکاروں کے حق میں لکھا کرتے ہیں، کہ عمدہ سلوک کیا جائے۔

اسلام ممالکہ مفتوحہ کے غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ بھی ان ناانصافیوں کو ناروا سمجھتا ہے جو دنیا کے جاگیردارانہ نظامات میں عموما کی جاتی ہے۔وہ انکی مرضی کے خلاف بیگار یعنی بدون معاوضہ خدمت لینا یا کوئی اور منفعت حاصل کرنا ممنوع قرار دیتا ہے،جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہے۔

(۱) ان رسول اللہ اعطیٰ یھود خیبر علی الشطر فکان یبعث علیھم من یغرض علیھم و یامر ھم ان یبقیٰ لھم ما یاکلون.

جناب رسالتمآب نے اراضی مفتوحہ نصف بٹائی پر خیبر کے یہودیوں کو دیدی۔ اورآپ کسی کو پیداوار اور حصہ کا تخمینہ کرنے لئے بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ یہودیوں کے پاس اتنا باقی رکھیں جو ان کے کھانے کے واسطے کافی ہو۔(مستدرک الوسائل: ج۱۱ ص۱۲۵)

(۲) سألت ابا عبد اللہؑ عن سخرة فی القریٰ و ما یوخذ من العلوج والاکراہ فی القریٰ فقال اشترط علیھم فما اشترطت علیھم من الدراھم و السخرة وما سویٰ ذلک فھو لک و لیس لک ان تاخذ منھم سیئا حتی نشارطھم وان کان کالمستیقن ان کان من نزل تلک القریة اخذ ذلک منه.

(وسائل الشیعه: ج۱۹ ص۶۲)

گاؤں میں جو بے گار طریقہ ہے۔اور غیر معمولی اور کسانوں سے گاؤں میں جو کچھ (نذرانہ وغیرہ) لیا جاتا ہے،اور اسکی بابت میں نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا،کہ فرمایا کہ تم ان سے بطور شرط کے طے کرلیا کرو،نقد درہم (روپیہ) خدمت یا اس

کے علاوہ جو کچھ بھی تم کاشتکار سے طے کرلو گے وہ تمہارا حق ہے اور تمہیں بغیر معاملہ طے کیئے ہوئے ان سے کچھ لینا کا حق نہیں، اگر چہ انکو (بنا بر رواج عام کے) اسکا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ گاؤں میں جو شخص بھی (زمیندار کی حیثیت سے) آئے گا وہ ان سے وہ چیزیں لیگا۔

خراج کی وصولیابی میں جابرانہ طریقوں کی ممانعت

خراج کی وصولیابی طریقوں کا انسداد کیا ہے، زدوکوب اور جبر وتشدد کے دوسرے طریقے اختیار کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ مطالبہ خراج میں آلات زراعت، ہل، بیل، ضروری لباس سرما وگرما، سامان خوراک روزمرہ کے ضروریات زندگی کوفروخت یا نیلام کرنے ی اجازت نہیں دی گئی ہے، اگر معاشی مجبوریوں کی وجہ سے کاشتکار خراج ادا کرنے سے عاجز رہے ہوں تو ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کا حکم دیا ہے، اس پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمانوں کے مندرذیل اقتباس شاہد ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان
عمال خراج کے نام
عام کسانوں کے حق میں لاثانی ہمدردی

(۱)ولانتیعین للناس فی خراج کسوة ستاع صیف ولا دابة یعتملون علیها ولاعبدا ولا تضربن احدا سوطا لمکان درهم ولا تمسس مال احد من الناس مصل ولا معاهد..(نہج البلاغہ: خ ۵۱)

اوردیکھنا خراج (لگان) مطالبہ میں لوگوں کے سردی وگرمی کے لباس کھانے کی

چیزیں جو انکا رزق ہیں وہ جانور جن سے وہ کاشت کرتے ہیں ، اور غلام کو ہرگز فروخت نہ کرنا اور نہ انکو درہم (خراج) کیلئے مارنا ، اور کسی مال کو ہرگز ہاتھ نہ لگانا خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی یا یہودی ونصاریٰ وغیرہ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان مالک اشتر کے نام

(۲) تفقد امر الخراج بما يصلح اهله فان صلاحه و صلاحهم لمن سواهم الابهم لان الناس كلهم عيال على الخراج و اهله و ليكن نظرك فى عمارةالارض ابلغ من نظرك فى استجلاب المخرج لان ذلك لا يدرك الا بالعمارة و من طلب الخراج بغيرعمارة اخرب البلاد واهلك العباد و لم يستقم امره الا قليلا فان شكورا ثقلا او علة اوانقطاع شرب اوبالة او احالة ارض اعتمرها غرق او اجحف بها عطش خففت عنهم بما ترجوان يصلح به امرهم ولا يثقلن عليك شئى خففت به المؤنة عنهم فانه ذخريعودون به عليك فى عمارة بلادك وتزئيين ولايتك مع استجلابك حسن ثنائهم و تبجحك باستفاضة العدل فيهم معتمدافضل قوتهم بما ذخرت عند هم من اجماعك لهم والثقة منهم بماعودتهم من عدلك عليهم فى رفقك بهم فربماحدث من الامور ما اذا عولت فيه عليهم من بعد احتملوه طيبة انفسهم به فان العمران متحمل ما حملته و انما يوتى خراب الارض من اعواز اهلها لا

شـراف انـفس الولاة علی الجمیع وسوء ظنهم بالبقاء و قلة انتفاعهم بالعبر .

(نهج البلاغة: خ ۵۳))

معیشت (سامان زندگی) کا دارومدار خراج واہل خراج ہی پر ہے اور خراج وصول کرنے سے زیادہ تمہاری نگاہ زمین کی آبادی پر رہنی چاہئے اس لئے کے خراج بغیر زمین کی آبادی کے حاصل نہیں ہوسکتا اور جس نے زمین کو آباد رکھے بغیر خراج وصول کرنا چاہا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت تھوڑے دنوں کے سوا درست نہ رہ سکی، پس اگر (کاشتکار) مقدار خراج (لگان کے بھاری ہونے اور کسی ناگہانی آفت یا نہر سے سیرابی کے بند ہو جانے یا مینہ نہ برسنے یا زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہوسکنے سے پیداوار کی خرابی کی شکایت کریں تو ان سے اتنی مقدار کم کردو جتنی میں تم کو امید ہو کہ انکی حالت درست ہو جائے گی، اور اس مقدار کا کم کرنا تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ وہ ان کے پاس جمع رہے گی۔ اور شہروں کے آباد ہو جانے اور ملک کی حالت سدھرنے کے بعد تمہاری طرف پلٹ آئیگی ساتھ ہی اسکے تمکو انکی مدح ثناء بھی حاصل ہوگی اور ان کے درمیان عدل وانصاف جاری کرسکو گے ان کو راحت دیکر جو کچھ ان کے پاس ذخیرہ کردو گے اسکو (خوشحالی کے وقت میں) انکی فاضل آمدنی پر (بوقت ضرورت) بھروسہ کرسکو گے اور اپنی نرمی وانصاف کی عادت دلا کر انکا اعتماد بھی حاصل کرلو گے، اسکے بعد ناگہانی ضرورتوں میں جب ان پر بھروسہ کرو گے تو وہ بخوشی اس بوجھ کو اٹھالیں گے، کیونکہ ملک کی آبادی وخوشحالی وہ سب بار اٹھاسکتی ہے جو تم اس پر ڈالوگے، اور کسانوں کا محتاج رہنا ہی زمین کی خرابی کا باعث ہوتا ہے، اور زمیندار مفلس اسی

وقت ہوتے ہیں جب حاکموں کے نفس مال و دولت سمٹنے پر مائل ہوجاتے ہیں، بقاء منصب امارت

کی طرف سے بدگمان ہوجاتے ہیں، اور زمانہ کی عبرتوں سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ان غیر مسلم زمینداروں کے نام جنکی زمینوں پر سے اسلامی افواج گذرنے والی تھیں

اما بعد فانی سیرت جنودا ھی مادة بکم انشاء اللہ و قد اوصیتھمبما یجب اللہ علیھم من کف الذی و صرف الشذی وانابرع الیکم والی ذمتکم من معرة الجیش الاجوعة الضطرلا یجد عنھا مذھبا الی شیعه فنکلوا منھم ظلما عن ظلمھم و کفوا ایدی سفھائکم عن مضادتھم والتعرض لھم فیما استثنیناہ منھم وان بین اظھر الجیش فارفعواالی مظالمکم وما عراکم مما یغلبکم من مرسم ولاتطیقون دفعه الا باللہ وبی، اغیرہ بمعونة اللہ انشاء اللہ.

اما بعد میں نے فوجوں کو روانہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے قریب سے گزریں گی، میں نے وہ باتیں سمجھادی ہیں جو خدا کی طرف سے ان پر فرض ہیں یعنی وہ اذیت رسانی شرانگیزی سے باز رہیں اب اگر ان فوجوں سے کوئی ضرر تمہیں پہونچے تو میں تم سے ان کی بابت اپنی برائت چاہتا ہوں، مگر یہ کہ کوئی شخص بھوک سے مضطر ہوکر بغیر کچھ نقصان پہونچائے سیر ہوسکنے کی کوئی راہ نہ پائے پس جو شخص ان میں سے (بغیر ضرورت) کسی شئی کو ہاتھ لگائے تو اس کو ظلم کی سزا دو، مگر ہم نے جو کچھ مستثنیٰ کردیا ہے (یعنی بوقت ضرورت بقدر احتیاج (لے لینا) اسکی بابت اپنی قوم کے بے عقلوں کی مزاحمت اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز رکھنا (اور یہ

جان لو کہ گویا) میں لشکر ہی میں موجود ہوں، پس جو مظالم تم پر ہوں اور فوجوں کہ طرف سے جوز بردستی تم پر واقع ہو۔ جس کے دفع کرنے پر تم خود قادر نہ ہوسکو تو وہ مجھ تک پہونچاؤ، میں خدا کی مدد سے اسکو دفع کردوں گا۔ (نہج البلاغہ: خ ۶۰)

معادن کے اقسام واحکام

جس طرح زمین کی بعض قسمیں اصلاً غیر مملوک قرار دی گئی ہیں۔ اور وہ شخص ان پر آ باد کاری کی غرض سے پہلے قبضہ کرلے گا۔ وہ اسکا حقدار بن جائیگا۔ اس طرح کا حکم مورتیات کی بعض اقسام کا بھی ہے اسکی تفصیل معلوم کرنے کیلئے شرایع اسلام کی مندرجہ ذیل عبارت پر نظر کرنی چاہیئے

معادن ظاہرہ

الطرف الرابع فی المعادن فالظاهر منها لا تفتقر الی اظهار كالملح والنفط والقار لاتملک فلا يختص بهاالمحجر و فی جواز اقطاع السلطان المعادن المياه تردد. (شرائع الاسلام: ج ۳ ص ۲۷۸)

طرف چھارم معادن کے بیان میں: ظاہری معادن یعنی جو نکالنے کے محتاج نہ ہوں (ان تک بغیر کسی محنت ومشقت کے رسائی ہوسکتی ہو) مثلاً نمک اور نفط (مٹی کا تیل اور قیر ے تارکول) اس قسم کے معادن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ وہ تحجیر (کسی چیز سے روک دینے) کی وجہ سے محجر (روکنے والے) کیلئے مخصوص ہوتے ہیں، اور آیا حکومت کیلئے ایسے معادن اور (دریاؤں اور ندیوں) پانی کو کسی کی جاگیر قرار دینا جائز ہے، تو اس بارے میں تردد ہے، جو شخص ایسے معادن اور پانی تک پہونچے گا اسکو بقدر اپنی حاجت کے اس میں سے لینا جائز ہے۔

معادن باطنہ

من سبق الیھا فلہ اخذ حاجتہ اما المعادن الباطنۃ ھی التی لا تظھر الا بالعمل کمادن الذھب الفضۃ النحاس فھی تملک بالاصیاء.

معادن باطن سے مراد وہ ہیں جو بغیر عمل ومحنت کے ظاہر نہ ہوتے ہوں جیسے سونے چاندی تانبے کی کانیں اس قسم کے معادن بوجہ احیاء (آبادی کرنے کھودے نکالنے کے) ملک بن جاتے ہیں۔(شرائع الاسلام: ج ۴ ص ۷۹۶)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ معادن کی دو قسمیں ہیں، اور ایک کا حکم جدا گانہ ہے

(اول) معادن ظاہرہ۔یعنی جن تک رسائی آسان سے نفع اٹھانا بغیر کسی محنت و مشقت کے ممکن ہو چونکہ ایسے معادن کی چیز خود بخود باہر آجانے کی وجہ سے بغیر محنت اور عملی جدوجہد کے قابل انتفاع ہوتی ہیں۔لہذا وہ بندگان خدا کی مشترکہ ملکیت رہیں گی اور ان کا شمار منافع متشترکہ میں ہوگا۔

(دوم) معادن باطنی۔یعنی وہ معادن جن کے کھدنے میں اور نکالنے میں محنت و مشقت اور عملی جدوجہد درکار ہوتی ہے، وہ محنت وعمل کی بنا پر انفرادی ملکیت بن سکتی ہیں، اور ان کا حکم ان بنجر زمینوں کا ہوگا جن کا ذکر اوپر گذرا۔

چند ضروریات زندگی
جن کو اسلام نے اشترا کی سرمایہ قرار دیا ہے

چند اہم ضروریات زندگی کو اسلام نے عامہ خلائق کا اشترا کی سرمایہ قرار دیا ہے۔

اور وہ اس حدیث میں مذکور ہے،: **قال رسول اللہ خمس لا یحل منعھن الماء والملح والکلاء والنار والعلم** .(مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۴۳۵)

پانچ چیزوں کی روک ٹوک جائز نہیں ۔ پانی ۔نمک ۔آگ ۔ چوپایوں کا چارہ۔ (سبزہ گھاس وغیرہ) اور علم (جس مذھب میں علم کو مخصوص طبقہ کا حق قرار دیا گیا ہے وہ سر در گریبان ہوکر پیغمبر اسلام کی اس حدیث پر غور کرے)

ان کی تفصیل احکام کتب فقہ اسلام سے معلوم کئے جاتے ہیں ۔اس مختصر مضمون میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔

تجارت کی اہمیت وضرورت اور اسکے شرعی احکام

حدیث منقولہ بالا'' وجہ التجارۃ'' کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا.

اما وجه التجارة فقوله تعالىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ الخ . (البقره: ۲۸۲) فعرفهم سبحانه كيف يشترون المتاع فى السفر والحضر و كيف يتجرون.

کسب معاش کا طریقہ تجارت کی طرف خدا نے اس آیہ مبارکہ میں ہدایت فرمائی ہے ،خدا نے اس آیت میں انسانوں کو بتایا ہیکہ سفر وحضر میں کس طرح متاع تجارت خریدیں اور کیونکر بیع وشراء کے معاملات کریں۔(وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۱۱)

سورۂ بقرہ کی چند آیتوں میں خداوند عالم نے نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ سفر وحضر میں نقد وقرض کے معاملات کس طرح کئے جائیں ۔حضرت امیرؑ نے انہیں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

زمانۂ حاضرہ کے مشاہدات نے اب اس حقیقت کو محتاج بحث نہیں رکھا ہے کہ قوم کے معاشی فلاح و بہبود کا راز وسائل معاش میں سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے۔اور

یہی مبارک پیشہ معاشی نظام کی ترقی و برتری کا کفیل اعظم بنتا ہے، جس قوم کو تجارت کی برکات میسر نہیں وہ دوسرے قوموں کی دست نگری اور غلام ضرور ہونگی، اگر سیاسی نہیں تو کم از کم اقتصادی و معاشی حیثیت سے اسکا غلام بن جانا ناگزیر ہے، اسی بات کی جانب جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے **لا تدعوا التجارة فتهونوا اتجر وايبارک الله لکم**،، تجارتی کاروبار نہ چھوڑو کہ اس سے تم ذلیل ہوگے تجارت کرو خدا تمہیں برکت دے۔ (تهذيب الاحكام: ج۷، ص۳)

نیز اسی وجہ سے ترک تجارت کو حدیث میں بے عقلی سے تعبیر کیا ہے، اور اسکو سبب زوال عقل بتایا ہے:

من ترک التجارة ذهب ثلثا عقله لا تترکها فان ترکها مذهبة للعقل اسع علیٰ عيالک واياک ام يکونوا هم السعاة عليک. (وسائل الشیعه: ج۱۲ ص۶)

جو شخص تجارت کو چھوڑ دیتا ہے اسکی دو تہائی عقل چلی جاتی ہے۔ تجارت ترک نہ کرو، کہ اس سے عقل زائل ہوجاتی ہے اپنے اہل و عیال کی معیشت کے لئے تم دوڑ دھوپ کرو ،اور ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے محنت و سعی کریں، فقہ اسلام میں احکام تجارت کو خاص [illegible] ہے، ان سے متعلق بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکے گا کہ فقہ اسلام نے تجارت کو ایک مستقل فن کا مرتبہ دیا ہے، اور ساتھ ہی تجارت کو ہدایت کی ہیکہ کاروبار تجارت شروع کرنے سے پہلے اس کے مسائل پر عبور حاصل کرلیں، جناب شیخ مفید۔

ارشاد خداوندی:

لا تاكلوا اموالكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض (نساء:۲۹)

اور قول الٰہی **انفقوا من طيبات ما كسبتم** (بقرہ:۲۶۷) کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے

ہیں: فندب الی الاتفاق من طیب الاکتساب و نهی عن طلب الخبیث للمعیشة فمن لم یعرف فرقا مابین الحلال من المکتب والحرام لم یکن مجتنبا للخبیث من الاعمال ولا کان عن ثقة فی تفقة من طیب الاکتساب.

خدا نے پاک کمائی سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی ہے اور ناپاک روزی سے منع کیا ہے جو آدمی یہ نہ جانتا ہوگا کہ حلال وحرام کمائی میں کیا فرق ہے وہ خبیث و (ناپاک) کاروبار سے پرہیز نہ کرسکے گا، اور نہ قابل اعتماد علم اس بات کا اسے حاصل ہوگا کہ کمانے کا عمدہ اور پاک طریقہ کیا ہے۔ (المقنع: ص ۵۹۱)

نیز خدا کا ارشاد ہے:

ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (بقرہ:۲۷۵)

ذلک بانهم یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالا کہ کاروبار کو خدا نے حلال اور سود کو حرام کردیا ہے، لہذا ہر آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بیع جو ربوا کے خلاف ہے (اور جو حلال قرار دی گئی ہے) کیا ہے تاکہ اسے یہ علم ہوجائے کہ خدا نے تجارت اور اکتساب معاش کے وسائل وذرایع میں سے کسکو حرام قرار دیا گیا ہے، اور مروی ہیکہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: من اتجر بغیر علم فقد ارتطم فی الربا ثم ارتطم: کہ جو شخص بغیر علم کے تجارتی کاروبار کرے وہ ربوا کے دلدل میں گریگا اور پھر گریگا۔

من ارادالتجارہ فلیتفق فی دینه: قال الصادق علیه السلام: لیعلم بذلک ما یحل له و یحرم علیه و من لم یتفقه فی دینه ثم اتجر تورط فی شبهات. (وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۳۸۲)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو تجارت کرنا چاہتا ہے اسکو دینی

مسائل کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، اور جو بغیر علم حاصل کئے تجارت کریگا وہ شبہات میں مبتلا ہوگا: (حلال وحرام کی تمیز نہ کر سکے گا)۔

تجارت سے متعلق اس مختصر مضمون میں صرف چند بنیادی اصول اور اساسی احکام و ہدایت کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

معاملہ تجارت کی بنیاد تراضی ترفین پر ہونی چاہئے

فرمان خداوندی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (نساء:۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہم تجارتی معاملات ایک دوسرے کی رضامندی سے ہوں۔

اس آیہ مبارکہ میں معاملات تجارت کے متعلق فقہ اسلام کے احکام و ہدایات کی بنیاد واضح کردی گئی ہے یعنی خرید وفروخت میں کسی طرح کی بدمعاملگی نہ ہونی چاہئے اور معاملہ تاجر اور گاہک کی باہمی رضامندی اور خوش دلی پر مشتمل ہونی چاہئے صاحب کنز العرفان نے اس آیت کی تفصیل میں فرمایا ہے:

ههنا فروع (ا) شرط التجارة كونها عن تراض اى صادرة عن تراض من المتعاقدين فيخرج مالم يكن كذلك عن الاباحة. (ب) قال الشافعي المراد التفرق عن تراض فلهما الخيار قبل التفرق وهو مذهب الاصحاب لقولهؐ البيعان بالخيار مالم يفترقا. (وسائل الشيعه: ج۱۸ ص ۵)

تجارت میں یہ شرط ہے کہ وہ تاجر اور دونوں کی باہمی رضامندی سے واقع ہو معاملہ

تجارت ایسا نہ ہوگا اباحت سے خارج ہوگا (جائز وحلال نہ ہوگا) شافعی کا قول ہے کہ تراضی کے ساتھ طرفین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا مراد ہے لہٰذا جب تک صاحب مال اور خریدار متفرق نہیں ہوئے ہیں معاملہ کی فسخ کردینے کا انہیں حق حاصل رہے گا اور یہی مذہب ہمارے اصحاب (علماء امامیہ) کا بھی ہے کیونکہ آن حضرت کا ارشاد ہے، بائع ومشتری کو خیار حاصل ہے (یعنی انہیں معاملات کے فسخ کردینے کا حق ہے) جب تک متفرق نہ ہو جائیں۔

(ج) **عقدالمکره باطل نعم لو اجاز فیما بعد صح لحصول الرضاء:**

مجبور کا معاملہ خرید وفروخت باطل ہے ہاں اگر بعد حصول اختیار اجازت دے تو صحیح رہیگا کیونکہ رضا (جو شرط صحت معاملہ ہے) حاصل ہوگئ۔

(۲) الرضاء یراد به المعتبر شرعا فلا ارعتبار برضاء الصبی والمجنون والسکران والسفیه والمفلس فلا یصح عقودتهم ولو اجازوا بعد زوال المانع. (کنز العرفان)۔

رضا سے وہ رضا مراد ہے۔ جو شرعا معتبر ہے، لہذا بچے دیوانے، نشہ میں سرشار بے عقل ومفلس (قاضئ شریعت کی طرف سے جس کو دیوانہ ومفلس قرار دیا گیا ہو) کا معاملہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد زوال مانع اسکی اجازت دیں۔

حق کی لین دین شرط تجارت ہے

حدیث نبوی ہے:

التاجر فاجر والفاجر فی النار الامن اخذالحق واعطیٰ الحق۔

تاجر فاجر (بدکار) ہے اور فاجر جہنمی ہے مگر جو حق لے اور حق دے۔

(وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۳۸۴)

تجارت میں بدمعاملگی نہ ہونے پائے

نیز حدیث نبوی ہے: .افضل الکسب بیع مبرور عمل الرجل بیدہ سب سے اچھی کمائی بیع مبرور ہے اور دستکاری۔۔(مستدرک الوسائل: ج ۱۳ ص ۲۴)

بیع مبرور" ایسا تجارتی کاروبار مراد ہے جس میں دھوکا! فریب، خیانت بدمعاملگی، ضرر ونقصان، خدا کی نافرمانی مردم آزاری نہ ہو۔

آداب تجارت کی بابت
تجار کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی ہدایتیں

مروی ہیکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام بنفس نفیس کوفہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے اور تاجروں کے مجمع میں یوں خطاب فرماتے تھے:

قدموا الاستخارة وتبرکوا بالسهولة واقتربوی من المتباعين وتزينوا بالحلم وتناهوا عن اليمين و جانبوا الكذب وتجافوا عن الظلم وانصفوا [illegible] مں ولا تقربواالربوا واو فوالكيل والميزان ولا بخسوالناس اشياء هم الا تعثوا فی الارض مفسدين. (الکافی: ج۵،ص۱۵۱)

سب سے پہلے خدا سے خیر کے طالب ہوں اور سہولت ونرمی سے برکت حاصل کرو خریداروں سے قریب رہو (یعنی بدخلقی نہ کرو کہ وہ تم سے دور ہو جائیں) اور حلم سے آراستہ بنو قسموں سے باز رہو جھوٹ سے بچو ظلم سے دور بھاگو مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو، ربا، سود کے قریب نہ جاؤ ناپ تول پوری کیا کرو لوگوں کی (خریدی ہوئی) چیز کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

ارشادنبوی: تاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے

حضرت ابوعبداللہ جعفر صادقؑ نے فرمایا: قال رسول اللهؐ من باع و اشتری فليحفظ خمس خصال و الافلا يشترين و لا يبيعن الربوا و الحلف و كتمان العيب و الحمد اذا باع و الذم اذا اشتری ۔(الکافی: ج۵،ص۱۵۰)

جو آدمی خرید و فروخت کرے اس کو پانچ باتوں کی نگہ داشت ضروری ہے اگر نہ کرسکتا ہو تو ہرگز خرید و فروش کا کاروبار نہ کرے سود لینا قسم کھانا مال کا عیب چھپانا بیچنے کے وقت اپنے مال کی تعریف کرنا اور خریدنے کے وقت دوسروں کے مال کی برائی کرنا۔

چند آداب تجارت ارشاد نبویؐ میں:

ابوامامہ راوی ہیں،:سمعت رسول الله يقول اربع من كن فيه طاب مكسبه اذااشتری لم يعب و اذا باع لم يحمد و لا يدلس و فيما بين ذلک لا يحلف. (الکافی: ج۵،ص۱۵۳)

میں نے جناب رسالت مآب کو یہ فرماتے سنا کہ جس آدمی میں چار باتیں ہونگی اس کی کمائی پاک ہے جب خریدے تو عیب نہ لگائے جب بیچے تو تعریف نہ کرے تدلیس سے کام نہ لے (یعنی خریدار سے مال کا عیب نہ چھپائے) اور قسمیں نہ کھائے۔

آداب تجارت کے متعلق امام جعفر صادقؑ کی ہدایات

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی کو جو سفر تجارت کا قصد کر کے حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا:

عليک بصدق اللسان فی حديثک و لا تكتم عيبا يكون فی

تجارتک ولا تغبن المسترسل فان غبنه لا یحل ولا ترض للناس الا ما ترضیٰ لنفسک واعط الحق وخذه ولا تخف ولا تخن فان التاجر الصدوق مع سفرة الکرام البورة یوم القیامة واجتنب الحلف فان الیمین الفاجرة تورث صاحبها النارو التاجر فاجر الامن اعطیٰ الحق واخذه و اذا عزمت علی السفراوحاجة مهمة فاکثر الدعاء والاستخارة فان ابی حدثنی عن ابیه عن جده ان رسول اللهؐ کان یعلم اصحابه الاستخارة کما یعلمهم السورة.

اپنی زبان گفتگو میں سچی رکھو اور مال میں جو عیب ہے اسے نہ چھپاؤ جو تم پر معاملہ میں بھروسہ کرے اس کو نقصان نہ پہنچاؤ اس کا نقصان کرنا حلال نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ ،سروں کو کم دینا جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یوں تو عام خریداروں کو نقصان پہونچانا یا کم دینا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا جائز نہیں ہے لیکن اس آدمی کے ساتھ یہ برتاؤ جو تمہاری ایمانداری و .یانت پر بھروسہ کرتا ہو اور بھی برا ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی بات پسند کرو جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتے ہو حق دو، اور حق لو، نہ ڈرو اور نہ خیانت کرو بیشک سچا تاجر قیامت کے روز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ کیوں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو جہنم کا مستحق بناتی ہیں۔ تاجر فاجر (بدکار) ہے مگر وہی اس مستثنیٰ ہے جو حق دے اور حق لے۔ اور جب سفر تجارت کا قصد کرو یا کسی اہم ضرورت میں گھر سے نکلو تو خدا سے دعا اور طلب خیر زیادہ کرو۔ میرے والد اپنے پدر عالیقدر سے اور انھوں نے اپنے جد امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کو طلب خیر کے طریقے اور دعائیں سورۂ قرآن کی طرح سکھایا کرتے تھے۔ (وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۴۸۵)

کم تولنے کی مذمت

(۱) والسماء رفعها ووضع الميزان الا تطغوا فی الميزان و اقيموا الوزن بالقسط و لا تقسروا الميزان.(الرحمٰن: ۷.۹)

اورخدانے انصاف کوقائم کیا تا کہ تم لوگ ترازو(سے تولنے) میں ناانصافی نہ کرو۔اورانصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔اورتول کم نہ کرو۔

ناپ تول میں کمی کرنے والے کے لئے تباہی ہے

(۲)ويل للمطففين الذين اذاکتالوا علی الناس يستوفون ادا کالوهم او وزنوهم يخسرون الا يظن اولئک انهم مبعوثون ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العالمين.(المطففين: ۱.۵)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی (تباہی) ہے۔جواوروں سے جب ناپ تول کرتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کوناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیاوہ ایک بڑے (سخت) دن کے لئے اٹھائے جائیں گے۔جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ٹھہرے ہوں گے۔

(۳) و اوفواالکيل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقيم ذلک خير و احسن تاويلا. (الاسراء: ۳۲)

جب ناپ کر دینا ہوتو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو۔اور(جب تول کر دینا ہوتو) ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔یہی اچھا طریقہ ہےاوراس کاانجام بھی بہتر ہے۔

(۴) و اوفواالکيل ولا تکونوا من الخسرين. وزنوابالقسطاس

المستقیم. ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین.

واتقوا الذی خلقکم والجبلة الاولین. (الشعراء: ۱۸۱. ۱۸۴)

پیمانہ پورا کردیا کرو۔ اور کم دینے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ اور لوگوں کی (خریدی ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھلاتے نہ پھرو۔ اور اس (پیدا کرنے والے) سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

ناپ تول میں کمی کرنے سے قومیں مبتلائے عذاب ہو چکیں ہیں

صفوان راوی ہیں:

بن المسترسل قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان فیکم خصلتین هلک بهما لک قبلکم من الامم! قالوا: وما هما یابن رسول اللہؑ؟ قال: المکیال والمیزان. (وسائل الشیعہ: ج۱۷ ص۳۹۵)

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے امتیں ہلاک ہو چکی ہیں! اصحاب نے پوچھا اے فرزند رسولؑ وہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: پیمانہ اور ترازو۔

وزن کب پورا ہوگا

جناب امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: لا یکون الوفاء حتی یمیل المیزان وزن پورا نہیں ہوتا جب تک ترازو جھک نہ جائے۔ (الکافی: ج۵، ص۱۵۹)

غبن حرام ہے

(۱) غبن المسترسل سحت (۲) غبنا المومن حرام (۱) بھروسہ کرنے والوں کو کم دینا حرام ہے (۲) اور مومن کو کم دینا حرام ہے۔ (الکافی: ج۵، ص۱۵۳)

شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شئی معلوم و معین ہو

شرائع الاسلام میں ہے:

وان یکون المبیع معلوما فلا یجوز بیع ما یکال و یوزن او یعد جزافا ولو کان مشاهدا کاصبرة ولا بکیان مجهول.(شرائع الاسلام: ج ۲ ص ۱۰)

شرط بیع یہ بھی ہے کہ مقدار بیع معلوم ہو، پس جو چیز کہ پیمانے سے فروخت کی جاتی ہے اور جو شئی وزن سے فروخت کی جاتی ہے اور جو شئی شمار کر کے بیچی جاتی ہے اس کو تخمین اور خیالی انداز سے فروخت کرنا نا جائز ہے اگر چہ وہ شئی آنکھوں کے سامنے ہو جیسے کہ علے ل ڈھیری اسی طرح چیزوں کا ایسے پیمانہ سے بیچنا بھی نا جائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تاجروں کیلئے قسمیں اور دستکاروں کے لئے آج کل کے جھوٹے وعدے تباہی کے باعث ہیں

حدیث نبویؐ میں ہے کہ:

ویل لتجار امتی من لا والله و بلیٰ والله وویل لصناع امتی من الیوم وغدا.(من لا یحضره الفقیه: ج:۳ ص ۱۶۰)

میری امت کے تجارت کی تباہی ہے" لا والله" اور۔ بلے والله۔ جھوٹی قسموں سے اور دستکاروں کی تباہی ہے، آج و،کل، کے جھوٹے وعدوں سے۔

حد سے سوا نفع خوری کی شدید مذمت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو جسکا نام مصارف تھا ایک ہزار اشرفیاں دیں اور فرمایا کہ مال تجارت خرید کر مصر جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ جائے اور فروخت کرے۔ اس نے سامان تجارت خرید لیا اور روانہ ہوا، وہ اور اس کے رفقائے سفر مصر کے قریب پہونچے تو ادھر سے ایک قافلہ واپس آتا ہوا ان سے ملا، ان لوگوں نے اپنے مال تجارت

کی بابت میں پوچھا تو معلوم ہوا کی وہ چیزیں وہاں نایاب ہیں اور وہ ایسی چیزیں تھیں جن کی ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے ان لوگوں نے یہ خبر پاتے ہی آپس میں عہد و پیمان کرلیا کہ ایک اشرفی کے مال پر ایک اشرفی نفع لیں گے، جب وہ اس قرارداد پر سب مال فروخت کر کے واپس ہوئے۔ اور مصارف نے حضرتؑ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا کہ کس طرح ان لوگوں نے عہد و پیمان کیا اور کیوں کر سامان تجارت گراں قیمت پر بیچا تو آپؑ نے فرمایا:

سبحان الله تخلفون على قوم مسلمين ان لا تبيعوهم الا بربح الدينار ديناراثم اخذ الكيين وقال هذا راس مالى ولا حاجة لنا هذاالربح ثم قال يا مصارف مجالدة السيوف اهون من طلب الحلال. (الکافی: ج۵،ص۱۶۲)

سبحان اللہ تم کیسے لوگ ہو کہ مسلمانوں کے بارے میں آپس میں یہ عہد وقسم کھاتے ہو کہ ان کے ہاتھ ایک اشرفی سے ایک اشرفی نفع لئے بغیر نہ بیچو گے۔ پھر حضرت نے دونوں سیپیاں لیں اور فرمایا کہ یہ ایک میرا راس المال ہے اور (دوسری تھیلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: مجھے اس نفع کی حاجت نہیں ہے پھر فرمایا: اے مصارف تلواروں سے لڑنا طلب حلال کی بہ نسبت آسان ہے۔

خبر غیب کا ایک آئینہ
جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں

نہج البلاغہ میں ہیکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ياتى على الناس زمان عضوض يمض المومر فيه على ما فى يديه ولم يومر بذلک قال الله عزوجل ولا تنسواالفضل بينكم تنهد فيه الاشرار و تستذل الاخيار ويبايع المضطرون وقد نهى رسول الله عن بيع المضطرين. (نہج البلاغہ: قصار:۴۶۸)

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے، جس میں خوشحال لوگ اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑ لیگے حالانکہ حکم خدا یہ نہیں ہے، اسکا فرمان تو یہ ہیکہ آپس میں نیک سلوک کرنا نہ بھولو، اسی زمانہ میں اشرار (شورش وفساد پر) اٹھ کھڑے ہونگے اور نیک لوگ ذلیل کئے جائیں گے اور مضطرب لوگوں کے ساتھ خرید وفروخت کی جائیگی حالانکہ جناب رسولؐ نے ربیع المضطرین سے منع فرمایا ہے۔(نہج البلاغہ: القصار ۴۶۸)

یاتی علی الناس زمان عضوض یمض الفضل کل امرء ما فی یدیه و یسنی الفضل بینکم ثم یبزی فی ذلک الزمان اقوام یبایعون الصطتین اولئک هم شرار الناس (وسائل الشیعه: ج۱۷ ص۴۴۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آدمی اپنے مال و دولت کو دانتوں پکڑ لیگا، اور بزرگانہ کردار کو جلا دیگا، حالانکہ خدا کا حکم یہ ہیکہ تم لوگ باہم حسن سلوک نہ بھولو، پھر اس زمانہ میں ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو مضطر لوگوں سے خرید وفروخت کریں گے وہ بدترین انسان ہوں گے۔

مضطر سے وہ شخص مراد ہے جو ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے مال ومتاع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے ایسے موقع سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور صاحب حاجت کی ضرورت اور مجبوری کو غنیمت سمجھ کر اسکے مال ومتاع کو کم سے کم قیمت پر خرید لینا چاہتے ہیں، شریعت اسلام نے اس فعل کو خلاف دین ومروت قرار دیا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ مضطر کے ذخیرہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس کے مال ومتاع کی واجبی قیمت ادا کی جائے، یا اس کو بقدر ضرورت روپیہ دیدیا جائے، اور اس طرح اسکو اپنا مال ومتاع نقصان پر فروخت کرنے سے بچالیا جائے، اس

صورت میں بیع کے معنی شراء یعنی خریدنے کے ہوں گے یا قبول بیع مراد ہوگا، لیکن جس طرح انسان شدید ضرورت سے اپنے مال ومتاع کو کم سے کم قیمت پر نقصان اٹھا کر بیچ دینے پر مجبور ہوتا ہے، اسی طرح ضروریات زندگی کو ہر قیمت پر خریدنے کی مجبوری بھی پیش آتی ہے، جبکہ سرمایہ دار اور مالکان متاع جنس ذخیرہ اندوزی ونفع بازی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اشیاء ضرورت ان کے قبضے میں ہوتی ہے، اور حاجتمند مضطر ہوتے ہیں کہ ان کی من مانی قیمت ادا کر کے ضروریات زندگی خریدیں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں عام طور سے ہو رہا ہے، کہ ضروری اشیاء پر سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں کا قبضہ ہے اور ہر شخص ان کی مطلوبہ قیمت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ادا کرنے پر مجبور ہے، لہٰذا اس طرح بیچنا اضطرار سے ہوسکتا ہے، اسی طرح خریدنے میں بھی اضطرار کی صورت پیدا ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ حدیث اضطرار کی دونوں صورتوں سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ الفاظ حدیث سے اضطراری خریداری کا احتمال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

ہر چھوٹے بڑے امیر وغریب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہئے

حدائق ناضرہ میں ہے:

یستحب ان یساوی بین المبتاعین و الباعین، فالصغیر عنده بمنزلةالکبیر و الغنی کالفقیر و المجادل کغیره و المراد ان لا یفاوت بینهما فی الانصاف بالمماکسة و عدمها و الظاهرانه لو فاوت بینهما بسبب الدین و الفضل فلا باس. قیل :و لکن یکره للاخذ قبول ذلک حتی نقل ان السلف کانوا یوکلون فی الشراء من لم یعرف هربا من ذلک.

(حدائق الناضرہ: ج ۱۸ ص ۳۲)

مستحب ہے کہ تمام خریداروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے (اور مال سب کو برابر قیمت پر دے) اسکے نزدیک چھوٹا بمنزلۂ بڑے کے اور غنی بمنزلۂ فقیر کے ہو۔ اور قیمت طے کرنے میں جھگڑنے والا نہ جھگڑنے والے کے برابر ہو۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ قیمت کم کرانے اور نہ کرانے دونوں صورتوں میں الفاظ کوئی فرق نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ قیمت کم کرانے والے کے لئے قیمت گھٹا دے اور جس نے قیمت میں بحث نہ کی اس سے زیادہ وصول کر لے۔

کسی کو دوسرے کے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہئے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: **نهی رسول الله ؐ ان یدخل الرجل فی سوم اخیه المسلم.** (وسائل الشیعہ: ج ۱۷ ص ۴۵۹)

جناب رسول نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے برادر مومن کے مسودے میں دخل نہ دے یعنی جس چیز کو کوئی مومن خرید رہا ہو اس کی قیمت کم یا زیادہ کر کے خود نہ خریدے، مقصد یہ ہے کہ جس چیز کو کوئی مرد مسلم خریدتا ہو اس کے معاملہ میں دخل دینا اور قیمت کم یا زیادہ کر کے خود لینا برا اور ممنوع ہے۔

نجش حرام ہے

ارشاد نبویؐ ہے۔ **والناجش والمنجوش ملعونون ،**

ناجش و منجوش سب کے سب ملعون ہیں۔ (الکافی: ج ۵، ص ۵۶۰)

تعریف ''نجش''

تعریف نجش کے بارے میں حدائق ناضرہ میں ہے:

فالظاهر ان المرادبه هو ان يوطئ البايع رجلا اذا اراد بيعا ان يساومه بثمن كثير ليقع فيه غيره. والمشهور فى كلام الاصحاب تحريمه.

(حدائق الناضره: ج ١٨ ص ٣٢)

نجش'' کے معنی یہ ہیں کہ تاجر خریدار کو پھانسنے کی تدبیر کرے کہ کسی شخص کو اس طرح اپنے موافق بنالے کہ جب وہ مال بیچنا چاہے تو وہ شخص زیادہ قیمت پر اس سے سودا ٹھرانے کی بات چیت کرے تاکہ ناواقف خریدار اس کے فریب میں آجائے۔ مشہور یہ ہے کہ نجش حرام ہے۔

دھوکے۔ فریب۔ ملاوٹ کا حکم

حدائق ناضرہ میں ہے:

الاول فى الغش بالخفى كشوب اللبن بالماء ولا خلاف لتحريمه كما حكاه فى المنتهىٰ. اما لو غش بما لا يخفى كالتراب يجعله فى الحنطه والردى منها بالجيد: فالظاهر الاصحاب عدم التحريم. و ان كان مكروها لظهور العيب المذكور للمشترى فهو انما اشترى راضيا به. و لعل وجه الكراهـ ـهم انه تدليس فى الجمله و انه ربما يغفل عنه المشترى لاسيما مع كثرة الجيد اذا خلط بالردى. (حدائق الناضره: ج ١٨ ص ١٨٩)

اول یہ کہ کسی ایسی چیز میں ملاوٹ جو ظاہر نہ ہو۔ جیسے دودھ میں پانی ملانا اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز ملائی جائے جو چھپ نہ سکتی ہو مثلاً گیہوں میں مٹی اور عمدہ گیہوں میں خراب ملا دینا تو علماء کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت حرام نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ اور وجہ حرام نہ ہونے کی یہ ہے کہ خریدار پر عیب ظاہر رہتا ہے۔ اور جب اس نے اس عیب کو دیکھتے ہوئے خریدا تو اس پر راضی تھا۔ اور وجہ کراہت شاید یہ ہو کہ

تدلیس ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خریدار اس عیب سے غافل رہ جاتا ہے خصوصاً جبکہ اچھے گیہوں (یا کسی اور غلے) کی کثیر مقدار مقدار میں تھوڑی ملائی ہو۔

غش۔ کی ممانعت میں جس قدر اہتمام پیش نظر شریعت ہے وہ احادیث ذیل سے ظاہر ہے:

لیس من المسلمین من غشهم. وہ شخص مسلمانوں کے زمرہ سے خارج ہے جو ان کے ہاتھ ملاوٹ کا مال بیچتا ہے۔(وسائل الشیعه: ج ۱۳ ص ۲۰۸)

خرید وفروخت اجالے میں ہونی چاہئے نہ کہ اندھیرے میں

ان البیع فی الظلال غش والغش لا یحل.

ایسے اندھیرے مقام میں بیچنا جہاں مال کا عیب ظاہر نہ ہوسکتا ہو غش یعنی دھوکا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔(الکافی: ج ۵، ص ۱۶۹)

دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت

نهی النبیؐ ان یشاب اللبن بالماء للبیع.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ میں پانی ملان کی ممانعت فرمائی ہے۔(تهذیب الاحکام: ج ۷، ص ۱۳)

تلقی الرکبان کی مذمت

اکثر سرمایا دار تاجروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ دیہات سے آنے والے سامان تجارت کو شہر سے باہر ہی سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ تاکہ شہر میں من مانی قیمتوں پر فروخت کریں۔ تاجروں کو اس کا موقع نہیں دیتے کہ بازار شہر تک پہونچیں اور نرخ سے واقف ہو جائیں۔ اس کو

اصطلاح میں۔تلقی الرکبان ۔کہتے ہیں۔اس کو بعض فقہاء حرام قرار دیتے ہیں اور اس کے فعل مکروہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔اس مسئلہ کے متعلق فروع و جزئیات پر اطلاع کتب فقہ اسلام سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ بے جا نفع خوری کے علاوہ ناواقف دیہاتی بیوپاری اور عامہ خلائق کے ضرر عظیم کا احتمال بھی رکھتا ہے اس وجہ سے شرع اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور منشاء شریعت یہ ہے کہ مال تجارت بازاروں میں آجائے، اور لانے والوں کو نرخ بازار معلوم ہو جائے، اور عامۃ الناس اس سے براہ راست معاملہ خرید و فروخت کریں اور یہ سرمایہ داروں کی من مانی قیمتوں کی گرانباری سے محفوظ رہیں اسی غرض سے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کوئی شہری تاجر اُن دیہاتی بیوپاری کسانوں کا وکیل نہ بنے، جو مال کی قیمت نرخ بازار کے مطابق نہ جانتا ہو، یہ دونوں حکم اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے:

لا یتلقیٰ احدکم تجارۃ خادجا من المصر ولا بیع حاضر الباد المسمون یرزق الله بعضهم من بعض. (تهذیب الاحکام: ج۷، ص۱۵۸)

"تم میں سے کوئی شخص سامان تجارت کو شہر سے باہر نکل کر نہ خرید لیا کرے اور کوئی شہری گاؤں والے کی طرف نہ بیچے۔خدا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق پہونچاتا ہے"

مکاسب شیخ مرتضیٰؒ میں ہے:

فیحتمل ان تکون العلة فی کراهته التلقی مسامحة الرکب فی المیزان بما لا یتسامح به المتلقی او مظنة حبس المتلقین مما اشتروه او ادخاره عن اعین الناس و بیعه تدریجا بخلاف ما اذا اتی الرکب و طرحوا امتعتهم فی الخانات والاسواق فان له اثرا بلینا فی امتلاع اعین الناس

خصوصا الفقراء وقت الغلاء اذا اتی بالطعام. (المکاسب: ج ۴ ص ۳۵۳)

احتمال ہے کہ "تلقلی الرکبان" کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہو کہ دیہات کے آنے والے بیوپاری تول میں سیر چشمی ونرمی وتساہل کا وہ برتاؤ کرتے ہوں جو متلقی (شہر سے باہر نکل کر خرید لینے والا) نہ کرتا ہو یا اس کا احتمال ہو کہ "تلقی کرنے والے" خریدی ہوئی جنس ومتاع کو اپنے پاس روک لیں، اور لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر کے رفتہ رفتہ نکال کر چور بازاری کے طریقہ پر مہنگے داموں فروخت کریں بخلاف اس کے جب باہر کے بیوپاری بازار اور منڈیوں میں آئیں گے اور متاع وجنس دوکانوں میں لاکر ڈالیں گے تو عامہ خلائق کے اندر سیر چشمی کی کیفیت پیدا ہونے میں اس کا نمایاں اثر ہوگا خصوصاً محتاجوں کے اندر جبکہ نحس زمانہ میں سامان خوراک دیا جائے گا۔

سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی "احتکار" کی حرمت وکراہت

غرض مقصود شریعت تجارتی کاروبار کے ایسے تمام طریقہ کو ممنوع قرار دینا جن سے بے جا نفع خوری کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور عامہ خلائق کی ضروریات زندگی کے مہیا ہونے میں تنگی و دشواری پیدا ہوتی ہے ان میں ایک بدترین طریقہ احتکار ہے، اور اس سے مراد سامان غذا کی اس غرض سے ذخیرہ اندوزی ہے کہ قیمتوں کے گراں ہوجانے کے وقت مہنگے داموں پر فروخت کیا جائے۔ فقہاء نے اس کی تعریف میں کہا ہے ،ھو جمع الطعام وحبسه یتربص به الغلاء، غذائی اشیاء کو گرانی کے انتظار میں جمع رکھنا احتکار ہے۔

کنز العرفان میں ہے،:

قیل الاحتکار مکروہ لقول الصادقؑ مکروہ ان تحتکر الطعام و

تذر الناس لا شئی لهم. و قیل حرام وهو الاصح لقولهؐ الجالب مرحوم و فی محتلکر ملعون. و انما یکون حراما بشرطین : احدهما: حبس القوت الذی هو الحنطة واشعیر والثمر والزبیب والسمن والملح طلبا للزیادة فی الثمن . و ثانیهما ان لا یوجد باذل سواه فیجبر حیئنذ علی البیع. و هل یسعر علیه؟ قیل: نعم والا لانتفت فائدة الجبر. و قیل:لا وهو الاصح لقولهؑ الناس مسلطون علی اموالهم. وقولهؐ ایضا الاسعار الی الله اللهم الاان یطلب شططا فیسعر علیه .(کنزالعرفان: ج۲ ص ۲۹)

''کہا گیاہے'' ''احتکار مکروہ ہے کیونکہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ بات مکروہ ہے کہ تم سامان خوراک کے ذخیرے بند کر کے رکھو اور لوگوں کو ایسے حالات میں چھوڑ دو کہ ان کے پاس کھانے کا سامان کچھ نہ ہو۔ یہ قول بھی ہے کہ احتکار حرام ہے، اور یہی قول صحیح ترین ہے کیونکہ رسالت مآب نے فرمایا ہے ضروریات زندگی (سامان خوراک وغیرہ) ادسرادسر سے لانے والے تاجر پر خدا کی رحمت ہے اور احتکار کرنے والے (بغرض نفع خوری ذخیرہ اندوزی لرنے والے) پر خدا کی لعنت۔ اور احتکار کے حرام ہونے کی دوشرطیں ہیں: ایک سرط تو یہ ہے لہ جن چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ہے وہ اشیاء خوردنی ہوں۔ یعنی گیہوں، جو، خرما، سمش، روغن، نمک، (پس انہیں غذا کی چیزوں میں احتکار رہوگا) جبکہ مقصد زیادہ قیمت حاصل کرنا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان اشیاء خوراک کا بیچنے والا نہ ہو، اس صورت میں اسکو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ آیا حکومت کی طرف سے اس کا نرخ بھی معین کیا جائے گا؟ تو بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ ہاں یہ ضروری بات ہے ورنہ بیچنے پر مجبور کرنے کا فائدہ ہی کچھ نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیمت مقرر کرنے کا خود مالک مال کو اختیار حاصل ہوگا، یہی قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ ''لوگ اپنے مال پر تسلط رکھتے ہیں''

(مال ان کا ہے اُن کو ہر طرح فروخت کرنے کا حق ہے) نیز حضرت کا ارشاد ہے کہ نرخ کا تقرر خدا کے ذمہ ہے، مگر جب کہ مال کا مالک حق سے بہت زیادہ قیمت مانگتا ہو تو اُس سے اس کے ظلم و جور کی وجہ سے نرخ مقرر کر دیا جائے گا۔

احتکار کی مذمت

حدیث نبویؐ میں ہے،:انما رجل اشتری طعاما فحبسه اربعين صباحا يزيد به الغلاء للمسلمين ثم باعه و تصدق بثمنه لم يكن كفارة لما صنع.

(وسائل الشیعه: ج۱۷ ص۴۲۵)

''جس آدمی نے کھانے کا سامان خریدا اور اس کو چالیس دن تک اس لئے روک رکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کرے پھر اس نے اُس کو فروخت کیا اور اس کی قیمت محتاجوں پر تصدق کر دی تو یہ تصدق اس کے برے کرتوت کا کفارہ نہ ہوگا۔

احتکار کی مدت کا تعین

ارزانی کے زمانے میں چالیس دن اور گرانی کے زمانے میں تین دن سے زیادہ سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی احتکار ہے، حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

الحكرة فى الخصب اربعون يوما و فى شدة و البلاء ثلاثة ايام فما زاد على الاربعين يوما فى الخصب فصاحبه ملعون وما زادفى العسرة فوق ثلاثة ايام فصاحبه ملعون.

احتکار'' کی مدت ارزانی اور خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن اور سختی وقحط کے ایام میں تین دن ہے۔ جو شخص ارزانی وخوشحالی کے زمانے میں چالیس دن سے زیادہ غذا کی چیزوں کو روک رکھے گا تو وہ ملعون ہوگا، اور جو آدمی تنگی کے دنوں میں تین روز سے زیادہ روک رکھے گا وہ ملعون ہوگا۔

حضرت امیرؑ کا فرمان ''احتکار''

کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو

حضرت امیر المومنینؑ نے مالک اشتر والی مصر کو حکومت کا مبسوط دستور العمل لکھکر بھیجا تھا اس میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

فامنع من الاحتکار فان رسول اللہؐ منع منه ولیکن البیع بیعا سمحا بموازین عدل لا یجحف بالفریقین من البائع والمتباع فمن قارف حکرہ بعد نهیک ایاہ فنکل وعاقب فی غیر اسراف. (نهج البلاغه: خ ۵۳)

، تم تاجروں کو ''احتکار'' سے باز رکھو کیونکہ جناب رسول خداؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور لازم ہے کہ فروخت سہل (اور سیر چشمی سے) پورے پورے اوزان پر ہو، اور ایسے نرخ پر ہو جس سے فریقین (بائع و مشتری) میں سے کسی کو خسارہ نہ ہونے پائے، جو شخص تمھارے حکم امتناعی کے بعد بھی ''احتکار'' (ذخیرہ اندوزی) کا مرتکب ہو اس کو بغیر ظلم و زیادتی کے سزا دو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام راوی ہیں:

انه مر بالمحتکرین فامر بحکرتهم ان تخرج الی بطون الاسواق و حیث تنظر الابصار الیها. (وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۴۳۰)

''جناب رسالتمآب ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجروں کے پاس گزرے تو حکم صادر فرمایا کہ ذخیرہ کیے ہوئے مال کو وہ بازاروں میں منظر عام پر لائیں۔

اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس کی مصلحت مکاسب کی مذکورہ بالا عبارت میں بیان کی گئی ہے بازاروں اور منڈیوں میں سامان خوراک کا بکثرت آنکھوں کے سامنے ہونا ایک نفسیاتی اثر رکھتا ہے، آسودگی خاطر و اطمینان قلب میں اس کو خاص دخل ہوا کرتا ہے، جس سے آج کل ہماری

دنیا بالکل محروم ہے۔

سال بھر خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے

اگر چہ شریعت اسلام سال بھر کی خوراک کا فراہم کر لینا فعل حسن و کار پسندیدہ قرار دیتی ہے، ارشاد نبوی ہے: **ان النفس اذا احرزت قوتها استقرت** ''نفس جب اپنی خوراک پوری حاصل کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے''۔ (الکافی: ج۵،ص۹۰)

اسی بنا پر آئمہ دین و اکابر اسلام کی سیرت یہی رہی ہے کہ سال بھر کے لئے سامان خوراک ذخیرہ کر لیا کرتے تھے ایک طویل روایت میں منقول ہے:

قال ثم من قد علتم بعده فی فضله و زهده سلمان و ابوذر (رحمهما الله) فاما سلمان فكان اذا اخذعطائه رفع منه قوته لسنته حق يحضر عطاوه من قابل فقيل له: يا ابا عبد اللهؑ انت فی زهدک تصنع هذا و انت لا تدری لعلک تموت اليوم او غدا فكانه جوابه ان قال: مالكم لا ترجون لی البقاء كما خفتم علی الفناء اما علمتم ياجهله ان النفس قد تلتاث علی صاحبها اذالم يكن لها من العيش ما يعتمد عليه فاذا هی احرزت معيشتها اطمانت. (الکافی: ج۵،ص۶۹)۔

حضرتؑ نے فرمایا: سلمان و ابوذر (رحمہما) جن کے فضل و زہد کا حال تم کو معلوم ہے۔ ان کا بھی طریقہ یہی تھا کہ سامان خوراک اپنے پاس مہیا کر لیتے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا ابا عبداللہؑ ! آپ کا باوجود زہد یہ طریقۂ عمل ہے، حالانکہ یہ خبر نہیں رکھتے ہیں کہ آج موت آجائے گی یا کل، تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو جس طرح میرے لئے فنا و موت کا ڈر ہے اسی طرح

میری بقا کی امید بھی ہے (جس طرح یہ احتمال ہے کہ آج یا کل مرجاؤں گا اُسی طرح یہ بھی امید ہے کہ زندہ رہ جاؤں) اے جاہلو! جب سامان معیشت جس پر بھروسہ ہو فراہم نہیں رہتا تو نفس پریشانی میں گرفتار رہتا ہے اور جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔

زمانۂ قحط میں ذخیرۂ خوراک فروخت کردینا مستحب ہے راشننگ کے طریقہ کی رضا کارانہ ترغیب

لیکن قحط وگرانی کے زمانہ کے لئے مستحب ہے کہ انسان اپنا ذخیرۂ خوراک فروخت کردے اور ہر دن بقدر ضرورت خرید لیا کرے۔ اوراس طرح راشننگ کا جو طریقہ حکومتیں جبرو تشدد سے جاری کرتی ہیں اس کو شریعت اسلام اخلاقی بنیادوں پر رضا کارانہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

معتب معتبر روای ہیں روایت کرتے ہیں: قال لی ابو عبد اللهؑ و قد يزيد السعر بالمدينة كم عندنا من طعام؟ قال: قلت عندنا ما يكفينا اشهرا كيثره قال: اخرجه و بعه قال. قلت له و ليس بالمدينة طعام؟ قال: بعه فلما بعته قال: اشتر مع الناس يوما بيوم وقال: يا معتب اجعل قوت عيالی نصفا شعيرا و نصفا حنطة فان الله يعلم انی واجد ان اطعمهم الحنطة علی وجهها ولكنی احب ان يرنی الله قد احسنت تقدير المعيشة. (تهذيب الاحكام: ج۷، ص۱۶۴)

''مدینہ میں غذا کا نرخ چڑھ گیا تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے پوچھا کہ سامان خوراک ہمارے پاس کتنا ہے؟ میں نے کہا، اتنا سامان ہے جو کئی مہینے کے واسطے کافی ہوسکتا ہے تو فرمایا کہ اس کو نکالو اور بیچ ڈالو، معتب کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ مدینہ میں غذا کا سامان نہیں ہے، آپؑ نے فرمایا: تم اپنا ذخیرہ بیچ ڈالو۔ جب میں نے فروخت کر دیا تو فرمایا کہ لوگوں کے

ساتھ روز کی غذا کا سامان روز خریدو، اور فرمایا: اے معتب! میرے عیال کی خوراک میں آدھا جو رکھو اور آدھا گیہوں، خدا کو یہ معلوم ہے کہ میں ان کو صرف گیہوں کھلانے پر دسترس رکھتا ہوں مگر مجھے یہ بات پسند ہے کہ خداوند عالم یہ دیکھے کہ میں نے انداز معیشت اچھا مقرر کیا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

سیرت آئمہ اسلام

فانا نکره ان ناکل جیدا ویاکل الناس ردیا. مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں عمدہ غذا کھاؤں، اور لوگ بری غذا کھائیں۔ (فروع الکافی: ج ۱ ص ۳۷۵)

دوسری رویت میں ہے: کان ابو الحسنؑ یامرنا اذا ادرکت الثمرة ان نخرجها فنبیعها و نشتری مع المسلمین یوما بیوم. امام علی رضاؑ کا ہم کو یہ حکم تھا کہ جب خرما کے پھل پختہ ہو جائیں تو ان کو فروخت کر ڈالیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہر روز کی خوراک ہر روز خریدیں۔ (وسائل الشیعه: ج ۱۷ ص ۴۳۷)

شراب اور قمار کی حرمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ(۹۰)إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ(۹۱) (المائده)

”اے ایماندارو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک اور شیطانی ہی کام ہیں تو تم لوگ اس سے بچے رہو، تاکہ فلاح پاؤ، شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوے کی وجہ سے عداوت اور دشمنی ڈال دے۔ اور تمھیں خدا کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا

تم اس سے باز آنے والے ہو"۔

اس آیت کے متعلق چند باتیں مجملاً قابل ذکر ہیں:

(اوّل) شراب وقمار کو شریعت اسلام نے جرم قرار دیا ہے اور اس کی وجہیں بھی بتائی ہیں۔

کنزالعرفان میں ہے: انما حض العداوۃ والبغضاء نالخمر والمیسر موجب لزوال المال وزوال العقل والمال موجبانللعداواۃ وابغضاء بخلاف الانصاب والازلام فانھمایوجبان یسخط اللہ والنار لا العداوۃ بین العابدین.

"عداوت ودشمنی کوخدا نے شراب اور جوئے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ شراب عقل کے زوال کا باعث ہوتی ہے اور، جوا، مال کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور عقل و ال کے زوال سے عداوت ودشمنی پیدا ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے بت اور پاسے خدا کی ناراضی رجہنم کی سزا کے موجب ہوتے ہیں، مگر پوجنے والوں کے درمیان عداوت کا باعث نہیں ہوا کرتے۔ (کنزالعرفان: ج ۲ ص ۲۱)

تجارت مسکرات کی ممانعت

(دوم) سراب اور تمام مسکرات کی تجارت اور اُن کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کرے کی تمام صورتیں بھی حرام قرار دی گئی ہیں اور اس کے متعلق عام اصول اس حدیث نبوی میں مذکور ہے: ان حرم اللہ شیئا حرم ثمنہ، "جب خدا نے کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی قیمت بھی حرام کردی"

نیز جابرؓ صحابی راوی ہیں: ان رسول اللہؐ لعن الخمروشاربھا وعاصرھا وساقیھا وبائعھا واٰکل ثمنھا فقام الیہ اعرابی فقال یا رسول اللہ انی کنت رجلا ھذہ تجارتی فحصل لی من بیع الخمر مال فھل ینفعنی المال ان

علمت به طاعة؟ فقالؐ لو انفقته فی حج او جهاد لم یعدل عندالله جناح بعوضة ان الله لا یقبل الاطیب فترک قل لا یستوی الخبیث و الطیب.

(مستدرک الوسائل: ج۱۶ ص۵۵)

''جناب رسولؐ نے شراب اوراس کے پینے والے اس کے بنانے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور اسکی قیمت کھانے والے سب ہی پرلعنت کی۔تو ایک مرداعرابی اٹھ کھڑا ہوا، اورعرض کی یا رسول اللہؐ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی یہی تجارت رہی ہے اور مجھے شراب فروشی کے ذریعہ مال حاصل ہوا، اب اگراس کوطاعت خدا میں صرف کروں تو مجھے نفع دیگا ؟ حضرتؐ نے فرمایا اگرتو اس کو حج یا جہاد میں صرف کریگا تو وہ پرپشہ کے برابر بھی نہ ٹھہرے گا ،خداتو فقط پاک چیزکوقبول کرتا ہے،اس وقت یہ آیت اتری۔ قل لا یستوی الخبیث۔الخ

جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں

(سوم) کنزالعرفان میں ہے: المیسر هو القمار بسائر النواعه کالنردو الشطرنج قاله جل المفسرین هو المرویٰ عن اهل البیت علیهم السلام قالوا: حتی ان لعب الصبیان بالجوز من لاقمار فیحرم التکسب به وعمل الآلة و بیعها و الجلوس علی مجلس یکون فیه قال رسول اللهؐ اللاعب بالنردشیر کمن غمس یده لا فی لحم الخنزیر ودمه وقال الصادق علیه السلام اللعب بالشطرنج شرک و السلام علی اللاهی به معصیة.

جوئے کی تمام اقسام وانواع ،میسر، ہیں مثلا ،نردو شطرنج وغیرہ تمام مفسرین اسی کے قائل ہیں اور یہی آئمہ اہلبیت علیھم السلام سے بھی مروی ہے یہانتک کہ یہ بھی کہاہے کہ بچوں کا جوز

سے کھیلنا بھی، قمار، میں داخل ہے لہذا قمار کے ذریعہ روپیہ کمانا اس کے آلات بنانا اور بیچنا اور اس جگہ بیٹھنا جہاں قمار ہورہا ہو، یہ تمام امور حرام ہیں، حضرت رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے نرد کھیلنے والا مثل اس آدمی کے ہے جس کے ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں آلودہ ہوں اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہیکہ شطرنج کھیلنا شرک ہے اور شطرنج کھیلنے میں جو شخص مشغول ہو اس پر سلام کرنا گناہ ہے۔(کنز العرفان: ج ۲ ص ۴۰)

تحریم اشیاء کا عام اصول،
ضرر و نفع کے تناسب حکیمانہ نظر

یسْئَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیهِمَا إِثْمٌ کَبِیرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَکْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا(۲۱۹)(بقرہ)

اے رسولؐ تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تم ان سے کہو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (کچھ) فائدے (بھی) ہیں۔ مگر ان کی برائی ان کے نفع سے بڑھکر ہے۔

سراب، قمار، جوئے کی حرمت پر تو پہلی ہی آیت سے پوری روشنی پڑ چکی تھی لہذا یہ آیت محض اس غرص سے یہاں پیش نہیں کی ہے کہ ان محرمات کی حرمت واضح کیجائے بلکہ ان میں سے ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جو تحریم اشیاء کے متعلق شریعت اسلام کا عام بنیادی اصول قرار پاتی ہے، اشیاء مذکورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا ہیکہ ان میں افراد انسان کے لئے منافع بھی ہے، مگر ان کا ضرر بہ نسبت ان کے نفع کے بہت بڑا ہے اور ان کی وجہ تحریم یہی ہے۔ اس بیان قرآنی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نگاہ شریعت اسلام اشیاء کے منافع ہی پر نہیں پڑتی۔ بلکہ وہ یہ بھی دیکھتی ہیکہ منافع کے مقابلہ میں ضرر و نقصان کا

تناسب کیا ہے، مگر کسی چیز میں ضرر کا پلہ منافع سے بھاری نظر آتا ہے اور نفع کم ونقصان زیادہ دکھائی دیتا ہے تو اسکو حرام قرار دیتی ہے۔

سود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے

اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نفع وضرر کے تناسب کا یہ اصول صرف تحریم شراب وقمار ہی پر حاوی نہیں ہے بلکہ، تحریم ربوا۔ یعنی سودی کاروبار کی حرمت کی بنا بھی اسی اصول پر قائم کی گئی ہے

بے قید زندگی اور آزاد زندگی کی خواہش دنیا کے کسی مخصوص دور مادیت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ ہر زمانہ میں اہل دولت وثروت کے دلوں میں مچلتی رہی ہے

حضرت شعیبؑ سے اکابر قوم کا یہ خطاب اسی بی چین خواہش کا نتیجہ تھا۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (هود:۸۷)

کیا تمہاری نماز کا تم کو یہ حکم ہیکہ جن (بتوں) کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں انھیں چھوڑ بیٹھیں یا ہم اپنے اموال میں جو کچھ چاہیں نہ کریں، اس عصر فروغ مادیت میں، سود کی حرمت، کا وعظ سننے والے بہت کم ہونگے کیونکہ یورپ وامریکہ کی بیش از پیش مادی ترقیوں نے عام نگاہوں کو محصور کر رکھا ہے اگر ان کو سودی کاروبار کے بغیر تجارت وصنعت و حرفت میں تمدن ارتقا کا مکان مفقود نظر آئے تو یہ امر حیرت انگیز نہ ہوگا، اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ جن ممالک میں سرمایہ داری کا طاغوتی نظام چلایا جا رہا ہے وہاں کی ترقیوں کا راز سود ہی کے

اندر مضمر ہے، اور سودی کاروبار ہی کی بدولت سرمایہ داروں کو بام عروج پر پہونچنا نصیب ہوا ہے، مگر دیدہ عبرت کے سامنے ان کی ان کی تمدنی ترقیوں کو کوئی قابل رشک مرتبہ حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ قابل رشک ہونے سے زیادہ قابل عبرت ہیں، بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے نتائج فوراً نہیں کھلتے بلکہ اس کے لئے طویل عرصہ تک انتظار درکار ہوتا ہے، اور بار بار کثرت سے اعادہ کی احتیاج ہوتی ہے، سود خواری کے نتائج کو عاجلانہ نہیں بلکہ صبر آزما انتظار کر کے دیکھا جائے تو روزمرہ کے واقعات شاہد بن جاتے ہیں کہ اخلاق انسانی کیلئے زہر قاتل اور عامہ ناس کی آسائش و بہبود کیلئے بہت بڑی رکاوت ہے۔

زمانۂ حاضرہ عام معاشی تشویش و بے چینی و پریشانی کا دور ہے، سود، دشمن انسانیت سرمایہ داری کا پشت پناہ ہورہا ہے، دولت و ثروت رفتہ رفتہ سمٹ کر ایک مخصوص طبقے کا حصہ بن گئی ہے، اور کروڑوں عامہ خلائق فقر و فاقہ کا شکار ہوکر رہ گئے ہیں، جنکی معاشی تباہ کاریوں کا حل نکالنا اہل عقول و مدبر کیلئے جوئے شیر لانے کے برابر ہورہا ہے، ایسے زمانہ میں سودی کاروبار کی ضرر رسائی پر کاوس استدلال واستشہاد کی ضرورت باقی نہیں ہے، عیاں راچہ بیاں۔؟

ضروریات زندگی کیلئے محتاج عوام کا حال خراب یہ بتادینے کیلئے کافی ہے کہ وہ نظام معیشت جس کی بنیاد سود خوری پر قائم ہے وہ باطل اور شیطانی نظام ہے اور جس نظام کا یہ انجام ہو کہ دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوجائے، ایک طرف دنیا کی بے انتہا دولت و ثروت کے مالک سرمایہ دار ہوں اور دوسری طرف بے شمار مفلس و نادار ننگے بھوکے بندگان خدا، وہ بے شبہہ ایسا نظام ہے جس کے گناہ اس کی منفعتوں سے بہت زیادہ ہیں زمانہ حاضر کے سودی کاروبار کے بڑے بڑے ادارے جھنیں بینک کہتے ہیں کیسے ہی عظیم الشان فوائد کے باعث ہیں، مگر وہ محض چند

سرمایہ داروں۔ساہوکاروں اور پیشہ ورسودخواروں ہی کے لئے ہیں۔عوام وغربا کے لئے نہیں۔ لہذا ان کی خوبیوں سے ان کے عیوب ومفاسد عظیم تر ہیں اسی وجہ سے اسلام ہر قسم کے، سود، خواہ وہ قرض کے لین دین میں ہو یا تجارتی کاروبار میں، بدترین جرم اور کسب معاش کا خبیث ترین طریقہ قرار دیتا ہے، اور اس کا کلی انسداد اسلام کے نظام معیشت کا عظیم ترین نصب العین ہے، آیات قرآنی واحادیث اس پر شاہد ہیں:۔

سودخوری کی شدید مذمت

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشيطان مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الربا فَمَن جَاءهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىَ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲۷۵) يَمْحَقُ اللّهُ الْرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (۲۷۶) (بقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے نہ ہو سکیں گے، مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے لپٹ کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ جیسا خرید و فروخت کا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے تو جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت (ممانعت) آگئی اور باز آیا پس اس سے پہلے جو وہ لے چکا تو وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، اور جو پھر لینے گئے (اور تجارت وسود کے معاملہ کو یکساں بتائیگا) تو ایسے لوگ جہنمی ہیں، (اور) وہ ہمیشہ جہنم میں

رہیں گے۔ خدا سود کو (بے برکت کر کے) مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور خدا ناشکر گزاروں۔ گنہگاروں کو دوست نہیں رکھتا:۔

باقی ماندہ سود چھوڑ دو
ورنہ خدا اور سول سے جنگ مول لو

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ (۲۷۸)فَإِن لَّـمْ تَـفْـعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ(۲۷۹)(بقرہ)

اے ایمان دارو! خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کے لئے خبر دار ہو جاؤ، اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لئے اصل مال ہیں، نہ تم نقصان پہونچاؤ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے۔

سود در سود کی ممانعت

یَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون . (آل عمران:۱۳۰)

اے ایمان والو! سود بڑھا بڑھا کر (سود در سود) نہ کھاؤ، اور خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ

سود کی لین دین کی مذمت

وَمَـا آتَيْتُـم مِّـن رِّباً لِّيَرْبُوَ فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيْدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (روم:۳۹)

اور اگر تم لوگ جو سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں ترقی ہوتو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم جو زکوٰۃ خدا کی رضا مندی کے ارادے سے دیتے ہوتو ایسے ہی لوگ (بارگاہ خداوندی سے صلہ) دو چند لینے والے ہو۔

(۵) عن ابی جعفر علیه السلام اخبث مکاسب کسب الربوا.

"امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ذرائع کسب معاش میں خبیث ترین ذریعہ سود ہے"۔

(الکافی: ج۵ ص

عن علیؑ قال: لعن رسول اللہؐ الربوا واٰکله و بایعه ومشتریه و کاتبه وشاهدیه. "حضرت امیر المومنینؑ راوی ہیں کہ جناب رسولؐ نے سود، سودخوار۔ خریدے والے بیچنے والے، معاملہ سود کے لکھنے والے اور گواہوں سب پر لعنت کی ہے"۔

(من لا یحضره الفقیه: ج:۳ ص ۲۷۵)

سود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں

احادیث میں ان اغراض ومصالح کو بھی بصراحت بیان کیا گیا ہے، جن کے پیش نظر سودی کاروبار کی ممانعت وتحریم واقع ہوئی ہے، قرآن مجید کی آیات منقولہ بالا میں جو باتیں اشارۃً کہی گئی ہیں وہ احادیث میں تصریحاً مذکور ہیں۔

سماعہ راوی ہیں: (۱) قلت لابی عبداللهؑ انی قد رائت الله تعالیٰ قد ذکر الربا فی غیر آیة وکررة مال او تدری لم ذٰلک قلت لا قال لئلا یمتنع الناس من اصطناع المعروف. (الکافی: ج۵،ص۱۴۶)

میں نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میں نے یہ دیکھا کہ خدا نے سود

کا تذکرہ کئی آیتوں میں مکمل فرمایا ہے حضرت نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے کہانہیں؟ فرمایا اس غرض سے کہ لوگ باہم نیکی کرنے سے باز نہ رہنے گیں۔

اگر سود کا لینا حلال ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے جس کی عام احتیاج ہے

(۲) عن هشام بن الحكم انه سأل اباعبد الله عن علة تحريم الربٰوا فقال انه لو كان الربوا حلالا لترک الناس التجارات و ما يحتاجون اليه فحرم الله الربوا التنفر الناس من الحرام الى الحلال و الى الحلال و الى التجارات من البيع و الشراء. (وسائل الشيعه: ج۱۸ ص۱۲۱)

ہشام بن الحکم راوی ہیں کہ انھوں نے حضرت ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام سے سود کے حرام کئے جانے کی علت پوچھی تو حضرتؑ نے فرمایا اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت چھوڑ بیٹھتے اور وہ کاروبار جس کی انھیں احتیاج ہے اس واسطے خدا نے سود کو حرام کر دیا تا کہ، لوگ حرام سے حلال ی جانب اور کرید وفروخت کے کاروبار کی طرف توجہ کریں۔

وجوہ تحریم ربا کے متعلق امام رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد

محمد بن سنان راوی ہیں: ان بن موسی الرضاؑ کتب اليه فيما كتب من جواب مسائله و علة تحريم الربالما نهى الله عز وجل عنه ولما فيه من فساد الاموال لان الانسان ازا اشترى الدرهم بدرهمين كان ثمن الدرهم درهما وثمن الآخر باطلا فلبيع الرباوشرائه وكس على كل حال على المشترى و على البائع فحرم الله عزوجل على العباد الربا بالعلة فساد الاموال .. وعلة

تحریم الربا بالنیة لعله ذهاب المعروف وتلف الاموال ورغبة الناس فی الربح وتركهم القرض والقرض صنائع المعروف ولما فی ذلک من الفساد والظلم وفناء الاموال. (وسائل الشیعه: ج۱۸ ص۱۲۱)

امام رضا علیہ السلام میرے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے منجملہ ان کی تحریر کیا کہ سود کی حرمت کی علت یہ ہیکہ خدا نے اس کی ممانعت کی ہے اور یہ وجہ ہیکہ اس میں مال کی خرابی و بربادی ہے اس لئے کے جب انسان نے دو درہم کے عوض ایک درہم خریدا تو ایک درہم تو اک کی قیمت قرار پایا مگر دوسرا درہم ضایع ہوا، (اسکا کوئی عوض اس کو نہ ملا) اس لئے کہ سود کی خرید و فروخت بہرحال باعث نقصان ہے اور اس وجہ سے سود مال کے ضایع ہونے . ب ب ہے خدا نے اسے حرام قرار دیا، اور قرض کے معاملات میں سود کے حرام کئے جانے کی علت یہ ہے، اس سے نیکی واحسان کرنے کا جذبہ جاتا رہتا ہے مال تلف اور ضایع ہوتا ہے، بغیر محنت نفع خوری کی رغبت پیدا ہوتی ہے قرض جسکا شمار نیکیوں میں ہے سود کی لالچ میں لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں (کوئی کسی حاجت مند کو قرض حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتا، اور اس طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے) اور سود اس لئے بھی حرام کیا ہے کہ اس میں فساد وظلم ہے اور مال کی ناحق بربادی ہے۔

مندرجہ بالا آیات واحادیث کا خلاصہ

ان آیات واحادیث میں جو باتیں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(الف) محبت ومروت وہمدردی وانسانوں کی مستحکم بنیادوں پر انسانی معاشرت کی تعمیر دین اسلام کا عظیم ترین نصب العین ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد انسان دوسرے کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے، حاجتمندوں کی حالت زار پر انسانی احساسات ابھریں اور وہ ان کی حاجت روائی

کی طرف ہاتھ بڑھائے سودخواری کی ذہنیت اس کے برعکس حاجتمندوں کی مجبوری سے اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے، اور بالآخر انسانی مروت وہمدردی واحسان کے جذبات مردہ ہوجاتے ہیں۔سود کی تحریم سے مقصد شریعت اسی قسم کے بدترین جرائم کا سدباب کرنا ہے۔

(ب)عادت سودخواری کے ساتھ محبت مال وطمع بھی ترقی کرتی ہے،اور اسکی ترقی کی نسبت سے اصول اخلاق وہمدردی انسانی کے احساسات ختم ہوتے جاتے ہیں،اور آخرکار انسان اخلاق فاضلہ اور انسانیت اعلیٰ اوصاف سے محروم اور مال ودولت کے خمار بدمست ہوجاتا ہے ،اورشرف انسانیت کھودیتا ہے ،اوراس کی حالت ایسی ہوجاتی ہے جیسے کوئی شخص مجنون ومخبوط ہوجائے،ممکن ہیکہ وہ اپنی اس حالت کوعقلمندی کا ثمرہ تصور کرتا ہے،مگر دراصل وہ پاگل پن ہے،مال ودولت کی محبت میں شرف انسانیت کو بیچ دینا خبط وجنون نہیں تو اور کیا ہے، چونکہ اکثر نفسانی ملکات پختہ اور نا قابل زوال ہوجایا کرتے ہیں،اس لئے ان کا اثر آخرت کی زندگی میں بھی نمایاں ہوتو محل تعجب نہ ہونا چاہیئے ممکن ہے کہ قرآنی تمثیل،، کما یقول الذین یتخبط الشیطان من المس (سورۂ بقرہ)اسی بات کی جانب اشارہ ہو۔اوراسی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہو جواس کی بداخلاقی وبدکرداری کے نتیجہ کے طور پر اخروی زندگی میں پیدا ہوگی۔

(تفسیر زبدۃ البیان میں ہے صفحہ ۲۴۱)

والحاصل انهم لا يقومون من قبورهمالى المحشر بسبب الربوا ووزره و ثقله عليهم قياما مثل قيام صحيح العقل بل مثل قيام المعجابين فيسقطون تارة و يمشون على غير الااستقامة اخرىٰ ولا يقدرون على القيام اخرىٰ.

حاصل یہ کہ وہ لوگ محشر میں اپنی قبروں سے سود کے وبال اور بوجھ کی بدولت اس

طرح نہیں اٹھیں گے جس طرح درست ہوش وعقل والے اٹھتے ہیں ۔ بلکہ پاگلوں کی طرح اٹھیں گے گر پڑیں گے اور کبھی لڑکھڑاتے چلیں گے اور کبھی اٹھ بھی نہ سکیں گے ۔

(ج) جو انسان ایک درہم (یا ایک روپیہ) تو ایک درہم (یا ایک روپیہ) کی قیمت ہوتا ہے اور دوسرے کی قیمت ضایع ہو جاتی ہے، اس کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا اور بائع کو ایک درہم (یا ایک روپیہ) مفت ہاتھ آتا ہے، اس میں نہ اس کے اصل درہم (روپیہ [illegible]ئی دخل ہوتا ہے، اور نہ محنت کا کوئی اثر ۔

(د) یہ ایک حقیقت ثانیہ ہیکہ تجارت وصنعت کو معاشی نظام کے رکن اعظم کی حیثیت حاصل ہے، اور انھیں پیسوں کی بدولت عامہ خلائق کی رفائیت کے سامان اور معاشی خوشحالی کے وسائل ہو یا ہو سکتے ہیں اور تمدن کی ترقی اس سے وابستہ ہے، اور ان ذرایع سے مواش حاصل کرنے میں آدمی کو محنت اور مشقت کی حاجت ہوتی ہے، برعکس اس کے سودی کاروبار میں بے محنت روپیہ ملتا ہے، اب اگر معاشی نظر میں معاملہ سود کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت دیدی جائے ۔تجارتی کاروبار کی مشقت وصنعت ومفت کی محنت وتکلیف برداشت کرنے کی طرف رجحان باقی نہ رہے گا، مفت نفع خوری اور آسان طریقہ سے روزی کمانے کی ترغیب ہوگی ،اور اس طرح دنیا کا معاشی نظام ابتر ہو جائے گا، کیونکہ منافع خلق اللہ تجارت وصنعت وحرفت سے وابستہ ہیں، دنیوی کاروبار بغیر ان کے چل نہیں سکتے ۔

(ہ) خلق ومروت وہمدردئی انسانی کے شریفانہ احساسات کا جہاں یہ تقاضا ہیکہ قرض کے ذریعہ سے حاجتمندوں کی امداد روائی کی ترغیب دی جائے ،وہاں یہ بھی ضروری ہیکہ قرض کی لین دین کو پر منفعت کاروبار اور ذریعہ کسب معاش بننے نہ دیا جائے ، کیونکہ اس کے دو بدترین نتیجے، ظلم وفناء اموال ، یقینی ہیں، (جنکی جانب حدیث مندرج بالا میں توجہ دلائی ہے) سودی کاروبار کے رواج کی صورت میں ایک طرف غریب حاجتمند کو قرض لینا دشوار ہو جاتا ہے، اور

جو لوگ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ آخر کار ظالم ساہوکاروں کی ہوس نفع خوری اور حریصانہ مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں، دوسری طرف ہوا پرست مسرفین کی عادت فضول خرچی کو سہارا ملتا ہے بے جا عیش وعشرت اور فضول نام ونمود پر اڑانے کے لئے روپیہ بسہولت حاصل ہونے لگتا ہے، پیشہ ور سود خوار ساہوکار املاک و جائداد کے مالکوں کو روپیہ بحسب طلب بآسانی قرض دیدتے ہیں، اور آخر کار صرف وہی روپیہ فضول مسارف میں ضایع نہیں ہوتا۔ بلکہ امیروں کی ذاتی املاک و جائداد کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے جاتا ہے، بالخصوص مسلمان زمیندار، جاگیرداروں اور صاحب دولت وثروت گھرانوں کے سودی قرضوں کی بدولت تباہی و بربادی کی عبرت خیز وحسرتناک مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

اسلامی نظام نے سودی کاروبار کی روک تھام کے لئے اس قسم کے مظالم اور فناء اموال کے تباہ کن واقعات کا کلیۃ سد باب کر دیا۔ اور قرض کے معاملات کو باہمی ہمدردی اور حسن سلوک، مواساۃ واحسان کے اعلیٰ اخلاق احساسات کی حدود تک محو کر دیا۔ اور بغیر معاوضہ قرض دینے کو عظیم الشان کا رخیر کردار شریفانہ قرار دیکر اس کی جانب ترغیب وتعریف میں بڑا اہتمام فرمایا۔ اور حرصداروں کے ساتھ قرض خواہوں کی طرف سے واقع ہونے والی ہر خلاف مروت وانسانیت بدسلوکی کا انسداد کر دیا۔

قرض سے اعانت کرنیکی ترغیب

من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا ویضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ واللہ یقبض وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُون. (بقرہ:۲۴۵)

(۲) إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۱۷)

وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے تا کہ خدا اس کے مال کو اس کے واسطے کئی گناہ بڑھادے اور خدا ہی تنگدست کرتا ہے اور وہی رزق کی کشائش عطا کرتا ہے، اگر تم خدا کو قرضہ حسنہ دوگے تو وہ اسکو تمہارے واسطے دگنا کردیگا، اور تم کو بخش دیگا۔ (سورۂ تغابن: ۱۷)

حدیث بنویؐ ہے، (۳) من شکیٰ الیه اخره المسلم فلم یقرضه حرم الله عزوجل علیه الجنة یوم یجزی المحسنین (وسائل الشیعه: ج۱۶ ص۳۹۰)

جس کے پاس اسکا برادر مسلم اپنی تنگدستی کی شکایت لایا اور اس نے اسے قرض نہ دیا تو خدا اس کو جنت سے اس دن محروم رکھے گا جس میں نیکوکاروں کو جزا دیگا۔

تنگدست ونادار قرضدار کو مہلت دینا چاہئے اور قرض کو معاف کردینا بہتر ہے ۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ . (بقرہ: ۲۸۰)

اگر (تمہارا قرضدار) تنگدست ہو تو اس کو خاشحالی تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ اصل بھی بخش دو۔

قانون شرع اسلام میں تنگدستی ونا داری کے حدود۔ قرض میں سامان خوراک، لباس۔ مسکن خادم صرف نہ کیا جائے

کنز العرفان میں ہے: والمراد بالمعسر عندنامن یعجز عن اداء ماعلیه من الدین ولا یحسب علیه قوت یومه ودست ثوبه ودارسکناه وخادمة المعتاد فان ذلک لا یجب صرفه فی الدین فاذا تحقق العجز عما عدا ذلک

وجب الانظار وحرم المطالبة والحبس ومع القدرة تحل المطالبة ويجوزالحبس قال لی الواحد یحل عقوبته والتی المطل والعقوبته الحبس.

(کنزالعرفان: ج ۲ ص ۸۰)

معسر سے مراد ہمارے نزدیک وہ آدمی ہے جواپنا قرض ادا کرنے سے عاجز ہو روز کا خوراک، کپڑے، مکان، اور خادم جس کی عادۃ احتیاج ہوتی ہے یہ چیزیں محسوب نہ ہوگی اوران کوموجود ہوتے ہوئے ''معسر'' یعنی نادار و تنگدست قرار دیا جائے گا۔ان چیزوں کا قرض میں صرف کرنا واجب نہیں جبکہ ان چیزوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہونے سے اس کا عجز ثابت ہوتو اس کومہلت دینا واجب ہوگا، اور مطالبہ قرض اوراسے قید کرنا حرام ہوگا، اورجبکہ وہ ادائے قرض پر قدرت رکھتا ہوتو مطالبہ حلال اورقید کرنا جائز ہوگا، جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہیکہ اداء قرض کی قدرت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تواس کوسزا قید کرنا حلال ہوگا۔

قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

عن ابی عبد اللہؑ قال النبیؐ الف درھم اقرضھا مرتین احب الیّ من ان اتصدق بھا امرہ و کمالایحل لعزیمک ان یمطلک وھو معسر فکذالک لا یحل لک ان تعسرہ اذا علمت انه معسر۔(وسائل الشیعه: ج۱۸ ص۳۳۴)

حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میں ایک ہزار درہم کو اگر دو دفع کرکے قرض دوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ یکبارگی تصدق کردوں اور جس طرح تمہارے قرضدار کیلئے جائز نہیں ہیکہ خوشحال ہوتے ہوئے اداء قرض میں ٹال مٹول کرے اسی طرح تمہارے لئے بھی حلال نہیں ہیکہ اس کی تنگدستی کا حال

معلوم ہوتے ہوئے اس پر سختی کرو۔

حاجتمندوں کیلئے قرض لینا جائز ہے اور بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے بعض صورتوں میں حرام بھی ہے

جہاں حاجتمندوں کیلئے قرض کی لین دین کو حسن سلوک و کرم اخلاق کا بلند ترین مرتبہ قرار دیا ہے وہاں بے ضرورت قرض لینے کی ممانعت بھی کی ہے اور بعض حالات میں قرض لینا حرام بھی قرار دیا ہے۔

کنز العرفان میں ہے، اباحة الاسّد انه لانهامما قد يضطر الانسان الیه فی معاشه فتكون سايغة ولان النبیؐ اسند ان و كذاعلى عليه السلام وجماعة من الائمة عليهم السلام نعم هومن غير ضرورة مكروه لقوله صلى الله آله و سلم اياكم والدين فانه مذلة بالنهار و مهمة باالیل و قديحرم اذالم يكن له ما يقضيه به فانه خديعة ويقوى عندى اذالم يكن البائن مطلقا على حاله والافالكراهة شدية و قبول الصدقة له اولىٰ من الاستدانة .

قرض لینا اس لئے مباح ہے کہ انسان اپنے معاش کے بارے میں کبھی اس کا محتاج ہوتا ہے لہذا اسکو جائز ہونا چاہئے۔ اور اس لئے کہ خود جناب رسولؐ نے قرض کیا اور اسی طرح حضرت علی اور ائمہ علیھم السلام بھی قرض لیتے تھے، البتہ بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے کیونکہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہیکہ تم قرض سے بچو کیونکہ وہ دن میں باعث ذلت ورات کو باعث فکرمندی ہوا کرتا ہے اور جب ادا کرنے کا ذریعہ اپنے پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں قرض لینا حرام ہے اس لئے کہ وہ فریب ہے ، اور میرے (یعنی صاحب کتاب فاضل مقدار کے)

نزدیک قول قوی یہ ہیکہ ایسے نادار و مفلس کا قرض لینا حرام اس وقت ہوگا جبکہ قرض دینے والا اسکی ناداری و بے مائگی کے حال سے ناواقف ہو، ورنہ مکروہ ہوگا، اور کراہت شدید ہوگی ایسے آدمی کے لئے صدقہ قبول کرنا قرض لینے سے بہتر ہے۔

قرض کی مذمت، کفر و قرض بے ضرورت دونوں برابر ہیں

حدیث نبویؐ میں ہے: اعوذ بالله من الكفر الدين قيل يا رسول الله أيعدل الدين بالكفر قال نعم ؟ (بحار الانوار: ج ۱۰۰ ص ۱۴۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا، میں کفر و قرض سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس پر کسی نے کہا یا رسول اللہ آپ کو قرض کو کفر کے برابر ٹھہراتے ہیں تو فرمایا، ہاں ایسا ہی ہے۔

راہ خدا میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے سوا قرض کے

جعفر عليه السلام قال كل ذنب يكفره القتل فى سبيل الله الا الدين [illegible] كفارته [illegible]ه و يقضى صاحبه او يعفو الذى له الحق

حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہیکہ آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں شہید ہونا ہر گناہ سے پاک کر دیتا ہے سواء قرض کے کہ اس کا کفارہ صرف اس کا ادا کرنا ہی ہے یا تو شہید ہونے والے کی طرف سے اسکا کوئی ساتھی (یا وارث) ادا کرے یا جس کا حق ہے وہ معاف کردے۔ (من لا يحضره الفقيه: ج: ۳ ص ۳۷۸)

ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: من استدان دینا فلم ینوی قضائه کان بمنزلة السارق . (تهذیب الاحکام: ج٦، ص١٩١)

جس نے قرض لیا اور ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو وہ شخص گویا چور ہے۔

غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے

حدیث نبویؐ ہے، مطل الغی ظلم. ادائے قرض میں غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

ناداروں کے جائز قرضے کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے اس کیلئے خاص انتظام

جن قرضداروں کیلئے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ان کی گلوخلاصی وسبکدوشی کیلئے مدات خیر میں مخصوص حصہ قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ: ٦)

مال صدقات تو بس فقیروں اور ناداروں کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جو (زکوۃ وغیرہ کی وصول کے) کارندے ہیں اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہے اور غلاموں کی (غلام کے پھندے سے) گلوخلاصی میں اور قرضداروں کا جو خود ادا نہیں کر سکتے یہ حقوق) خدا کی طرف سے فرض قرار دئے گئے ہیں، اور خدا بڑا صاحب علم اور حکمت والا ہے۔

ارشاد الٰہی میں، غارمین، سے کون لوگ مراد ہیں

کنزالعرفان میں ہے۔ الغارمون و هم الذین رکبتهم الدیون فی غیر معصیة بل فی نفقة واجبة او معاش مباح.

غارمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بار قرض ہوگا مگر خدا کی معصیت میں نہیں بلکہ نفق واجبہ یعنی ان لوگوں کی ضرورتوں میں جن کا نفقہ ان پر واجب ہے یا یا نفقہ مستحب یعنی ان جوگوں کے متعلق جن کی مالی امداد مستحب ہے یا معاشر مباح یعنی ان اسباب معیشت میں جو شرعا مباح قرار دیئے گئے ہیں۔

اس سے پہلے اس بات کا تذکرہ گذرا کہ مفلس قرضداروں کے جائز قرضوں کا ادا کرنا خدا کی طرف سے رسولؐ و امامؑ کی ذمہ داریوں میں داخل کیا گیا ہے،

نادار کا قرض ادا کرنا فریضۂ امام ہے

حدائق ناضرہ میں ہے: المفهوم من جملته من الاجار انه متی لم یتمکن ـــمدیون من اداء الدین و وجب علی امام ان یودی عنه من سهم الغارمین اذا ـان ـته انفق ما اشد انه فی طاعة او فی مباح فلو انفقة فی معصیة لم یکز ـاه ذلک

حدیث سے یہ بات سمجھی گئی ہے کہ جب قرضدار اپنا قرض ادا نہ کر سکے گا تو امامؑ پر واجب ہوگا ''سہم غارمین'' (وہ حصہ جو بنا بر حکم قرآنی قرضداروں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے) سے ادا کریں بشرطہ کہ قرضداروں نے روپیہ طاعت خدا و مباح کاموں میں خرچ کیا ہو۔ پس اگر خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا گیا ہوگا تو اسکا ادا کرنا امامؑ پر واجب نہ ہوگا۔

نظام اسلامی کی طرف مشترک کاروبار کی رہنمائی

قرآن وحدیث کے منقولہ بالا شواہد سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہونچ چکی کہ تمدن کی ترقی درمنفعت اورخوشحالی کو عام بنانے کے لئے زراعت وتجارت صنعت وحرفت کوفروغ دینا اسلامی نظام کا عظیم الشان نصب العین ہے اب صرف یہ بتا دینا رہ گیا ہے کہ نظام اسلامی صرف انفرادی کاروبار ہی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اجتماعی کاروبار کی راہیں بھی کھولتا ہے اس کے ماتحت زمانہ حاضرہ کے بینکوں اور کواپریٹیو ساسائیٹوں کے ایسے سودی کاروبار کے ادارے تو قائم نہیں کئے جاسکتے مگر وہ تعاون "علی البر والتقویٰ" کے قرآنی اصول پر مشترک کاروبار کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور امداد باہمی کے سچے جذبے کے پیش نظر ایسے اجتماعی ادارات و مجالس (سوسائیٹیوں) کے قیام کی راہیں کھلی رکھیں جو سرمایہ دار اور غریب ر ، دونوں کے واسطے یکساں مفید ہوسکتے ہیں، فقہ اسلامی کے ابواب عقود و معاملات میں اس طرح کے وسائل معاش کی تفصیلات مذکور ہیں، اس مختصر مضمون میں انکی گنجائش نہیں نکل سکتی، لہذا بعض کی طرف اشارہ کردینے پر قناعت کرلینا مناسب ہے۔

شرکت عنان یا شرکت اموال

انما تصح بالاموال و یتساوی الشریکان فی الربح والخسران مع تساویہ ولو کان لاحد ھما زیادۃ کاان لہ من الربح بقدر راس مالہ ولذا علیہ من الخسارۃ ولو شرا لاحد ھما زدۃ فی الربح مع تساوی المالین اوالتساوی فی الربح والخسران مع تفاوت المالین قیل تبطل الشرکۃ اعنی الشروط التصرف الموقوف علیہ وقول تصح الشرکۃ والشرط والاول اظھر.

(شرائع الاسلام: ج ۲ ص ۳۷۵)

ہمارے نزدیک صرف شرکت اموال صحیح ہے اور جبکہ دونوں شریک مال برابر کی

شرکت رکھتے ہوں تو نفع ونقصان میں بھی مساوی ہوں گے، اور اگر کسی ایک کا مال زیادہ ہوگا تو نفع میں اسکا حصہ بقدر اس کے اور ان اعمال کے ہوگا اور اس پر خسارہ بھی اسی نسبت سے محسوب ہوگا اور اگر معاملہ شرکت میں باوجود دونوں کے مالوں کی برابری کے ایک شرکت کے واسطے نفع کی زیادتی یا باوجود مالوں میں تفاوت ہونیکے نفع ونقصان میں برابری کی شرکت کی جائے تو (اس صورت میں صحت معاملہ شرکت میں اختلاف ہے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرکت باطل ہوجائے گی یعنی شرط وتصرف اس پر موقوف ہے دونوں باطل ہوں گے اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ شرکت صحیح ہوگی اور اول (یعنی بطلان شرکت) اظہر ہے۔

حدیث میں ہے: **ان کان ربحافھو بینھماوان نقصانا فعلیھما.**

(وسائل الشیعه: ج۹ص۶)

اگر نفع ہوگا تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا اور اگر نقصان ہوگا تو اس میں بھی دونوں شریک رہیں گے۔

مضاربة

حدائق ناضرہ میں ہے: **ھی عقد شرعی لتجارۃ الانسان بمال غیرہ بحصة من الربح.**

"مضاربہ" ایک شرعی معاملہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کے مال سے نفع کے ایک حصہ کے عوض تجارت کرنا ہے۔

جواہر الکلام میں ہے۔ **المضاربة دفع الانسان الی غیرہ مالا لیعمل فیه بحصة من ربحه.**

"مضاربہ" یہ ہے کہ انسان کچھ مال بغرض تجارت کسی کو دے اور مقابل عمل نفع میں

کوئی حصہ اسکا مقرر کرے۔

ان تعریفوں سے ظاہر ہوا کہ "مضاربہ" ارباب دولت و مال اور غریب و نادار کے تعاون سرمایہ و محنت کے اشتراک عمل و مقصد اور اس ذریعہ سے امداد باہمی کے اعلیٰ نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے بہتریں طریقہ ہے اور یہ ایک ایسا تجارتی معاملہ ہے۔ جس میں ایک طرف سرمایہ اور مال و متاع ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل و محنت ہوتی ہے اور منافع میں حسب قرارداد تراضی طرفین اشتراک عمل ہوتا ہے ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایسے انسان کو فائدہ پہنچاتا ہے جو دیانت کے ساتھ تجارتی کاروبار کا سلیقہ ہونے کے باوجود نادار اور بے سرمایہ ہے اور اپنی محنت و سلیقہ عمل سے مالک سرمایہ کی منفعت کا باعث ہوتا ہے۔

اجارہ محنت و مزدوری

حدیث منقولہ بالا میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: واما وجہ الاجارۃ فقولہ عزوجل ... نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَات... الآیة (زخرف:۳۲)

(وسائل الشیعه: ج۱۹ ص۱۰۳)

وسائل معاش میں طریقہ اجارہ کا تذکرہ اس ارشاد خداوندی میں ہے: نحن قسمنا بینھم ، یہ آیہ مبارکہ اس سے پہلے زیر بحث آچکی ہے یہاں اس کے معنی مراد پر مزید روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے صرف اس قدر گذارش کافی ہے کہ ارشاد ربانی میں ان وسائل معاش کی طرف نہایت جامع و پر معنی الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے جن کا تعلق خدمت، مزدوری، محنت و اجرت سے ہے فقہ اسلام کے باب میں، باب اجارہ، کو بڑی اہمیت حاصل ہے ازیں جو تفصیلات مذکور

ہیں ان کا یہاں ترک کر دینا ناگزیر ہے اس مقام پر چند احادیث پیش کی جاتی ہے جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ انسان کی محنت وعمل کی اسلام کی نظر میں کتنی عظیم قدر و قیمت ہے۔

کام لینے سے پہلے اجرت طے کرلیا کرو

حدیث میں ہے: نهى رسول الله ان يستعمل اجيرا حتى ليعلم مااجرته، جناب رسول خدا صلعم کا حکم ہے اجرت معلوم کر لینے سے پہلے کسی اجیر (مزدور) سے کام نہ لیا جائے۔ (وسائل الشیعه: ج۱۹ ص۱۰۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يستعملن اجيرا حتى يعلم ما اجرته. (وسائل الشيعه: ج۱۹ ص۱۰۶)

جو آدمی خدا اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اسے ہرگز کسی اجیر سے کام نہ لینا چاہئے جب تک یہ نہ معلوم کر لے کہ اسکی اجرت کیا ہوگی۔

مزدور کی اجرت
کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کردو

حدیث نبوی میں ہے: اعط الاجير حقه قبل ان يجف عرقه.

مزدور کا حق اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

(مستدرک الوسائل: ج۱۴ ص۲۹)

مزدور کے حق اجرت میں ظلم کرنیوالا
ملعون ہے، خدا اس کو نہ بخشے گا

نیز آنحضرت کا ارشاد ہے:

(۱) ملعون من ظلم اجيرا اجره. (مستدرک الوسائل: ج۱۴ ص۲۹)

(۲) ان الله غافر کلی ذنب الامن حجد مهرا او اغتصب اجیرا

جس نے مزدور کی اجرت کے بارے میں ظلم کیا وہ ملعون ہے۔

(مستدرک الوسائل : ج ۱۴ ص ۳۱)

خدا ظاہری گناہ کا بخشنے والا ہے مگر دو شخصوں کو معاف نہ کریگا، ایک، جس نے عورت سے مہر کا انکار کیا، دوسرا، جس نے مزدور کی اجرت مار لی۔

جناب رسول خدا صلعم مزدوروں کی حمایت میں

ان النبیؐ قال ثلاثة انا خصیمهم یوم القیامة .رجلا نتاجر اجیر ا فاستوفی منه ولم یوف اجره. (مستدرک الوسائل : ج ۱۴ ص ۳۱)

جناب رسولؐ نے فرمایا کہ بروز قیامت میں تین قسم کے لوگوں کا فریق مقابل بنوں گا (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جو مزدور سے کام لے کر اجرت پوری نہیں دیتے۔"

چرخا و کھدر

خاتمۂ مضمون میں اس بات کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ زمانہ حاضرہ میں چرخے اور کھدر کو رواج دینے میں عظیم الشان جدوجہد کی جا چکی ہے اسکی افادی حیثیت کا تجربہ بھی ہو چکا ہے، مگر اس کو زمانہ حاضر کے کسی محترم و دور اندیش لیڈر کی جدت طرازی نہ سمجھنا چاہیئے، وہ کوئی نئی تحریک نہ تھی بلکہ تیرہ صدیوں سے اسلام کے نظام اقتصادی میں اس کو نمایاں جگہ حاصل ہے اور اسکی اہمیت کے لئے صرف مندرجہ ذیل احادیث و اخبار کافی ہیں:

سوت کاتنے کی ہدایت عورت کے لئے یہ گھریلو کام سب سے بہتر ہے

(۱) قال رسول اللهؐ صلی الله علیه و آله: نعم شغل المرائة

المومنة المغزل

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ مومنہ عورت کا بہترین مشغلہ چرخا ہے۔

نیز حدیث نبویؐ ہے،(۲) عملو هن الغزل،عورتوں کو سوت کاتنا سکھاؤ۔

جناب فاطمہ زہراء صلوٰت اللہ علیھا کے چرخہ کی عظمت واہمیت

جناب سید رضی الدین علی بن طاؤس نے کتاب لہوف میں یہ رویت نقل فرمائی ہے:

(۳)قال یزید لعلی بن الحسین علیهما السلام اذکر حاجاتک الثلاث اللاتی وعدتک بقضائهن (الی ان قال)قال والثانیة ما نزد علینا ما اخذ منا (الی ما قال)وانما طلبت ما اخذ منا لان مغزل فاطمة بنت محمد صلی الله علیه و آله (مستدرک الوسائل)

یزید نے حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام سے کہا کہ وہ تین حاجتیں مانگو جنہیں پورا کرنے کا میں نے وعدہ کیا ہے:(امامؑ نے منجملہ ان کے یہ بھی فرمایا کہ میری جو چیزیں چھینی ہیں ان کو واپس کردے اور میں ان چیزوں کو اس وجہ سے مانگتا ہوں کہ اس میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا چرخا بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

خاتمۂ کلام

اس مضمون میں اسلام کے نظام معیشت واقتصاد کا جو مختصر و مجمل خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نہ نظام سرمایہ داری ہے اور نہ نظام اشتراکیت و اشتمالیت، بلکہ بنیادی طور پر ان سب سے جدا ایک معتدل نظام ہے جس کے وسیع دامن میں ان کی تمام خوبیاں موجود ہیں، اور تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں اس سے خارج ہیں، فطرت کے دباؤ نے منحرف دنیا کا رخ اسی منبع اعتدال و مسلک اقتصاد کی جانب موڑ دیا ہے، ذہنیت سرمایہ داری اب محنت کش غریبوں کی مفاد سے دلچسپی اور احساس ہمدردی کی نمائش کرنے لگی ہے اور طبیعت اشتراک حق اور تفاوت درجات معیشت کے خلاف جنگ میں اعتدال پسندی کی طرف مائل ہے، یہ تدریجی انقلاب ذہنیت و استحالہ طبیعت اس حقیقت کو نا قابل اشتباہ بنا رہا ہے کہ نظام اسلامی ہی مکمل، معتدل و فلاح یافتہ ہے اور وہ دن توقعات کے حدود سے باہر نہ ہونا چاہئے جس میں ساری منحرف دنیا اسی نہج اعتدال و اقتصاد پر گامزن نظر آئے اور ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّینِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورہ توبہ:۳۳)

کا مضمون واقعہ اور حقیقت بن کر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

تمام شد

فہرست کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۔	ایک نظر ۔۔۔۔۔ تعارف	۵۔۱۱
۲۔	اسلام کا معاشی نظام	۱۵
۳۔	قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری، اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ حضرت جعفر طیارؑ کی تقریر	۱۶
۴۔	حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا بیان	۱۷
۵۔	اسلام ایک قابل عمل نظام ہے جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے	۱۹
۶۔	قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام	۲۰
۔	عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرتؐ کی خبر غیب	۲۱
۸۔	چند بنیادی باتیں جن پر اسلامی نظام معیشت کا سمجھنا موقوف ہے	۲۲
۹۔	اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے	۲۴
۱۰۔	سارا ایمان عمل ہے	۲۴
۱۱۔	تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے	۲۴
۱۲۔	اسلام کے نزدیک مفہوم عبادت بہت وسیع ہے	۲۵
۱۳۔	اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے	۲۵
۱۴۔	پیاسے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے	۲۶
۱۵۔	اسلام مذہب عدل و اعتدال اور انسان کا قدیم ترین مذہب ہے	۲۶
۱۶۔	دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے	۲۷

منابع

۱ ـ قرآن مجید
۲ ـ تفسیر صافی
۳ ـ تفسیر نور الثقلین
۴ ـ مجمع البیان
۵ ـ نہج البلاغه
۶ـ شرح نہج البلاغه
۷ ـ الکافی
۸ ـ شرح اصول کافی
۹ ـ تہذیب الاحکام
۱۰ ـ من لا یحضره الفقیه
۱۱ـ فروع الکافی
۱۲ـ شرح فروع کافی
۱۳ـ وسائل الشیعه
۱۴ مستدرک الوسائل
۱[illegible]درک المسائل
۱۶ ـ لئالی الاخبار
۱۷ ـ عدة الداعی
۱۸ ـ کنزل العمال
۱۹ ـ حدائق الناضره
۲۰ ـ کنزل العمال
۲۱ ـ تحف العقول
۲۲ ـ کنزالعرفان
۲۳ ـ المحجة البیضاء
۲۴ ـ مجموعة الورام
۲۵ ـ مشکاة الانوار
۲۶ ـ بحارالانوار
۲۷ ـ جامع السعادات
۲۸ ـ سفینة البحار
۲۹ ـ مستدرک سفینة البحار
۳۰ ـ جامع الاخبار
۳۱ ـ المکاسب
۳۲ ـ شرائع الاسلام
۳۳ ـ المقنع